12

سوِکس

ACADEMIC YEAR 2018-19
Sr.No: 16401379
Code: B98M687

2018-19

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

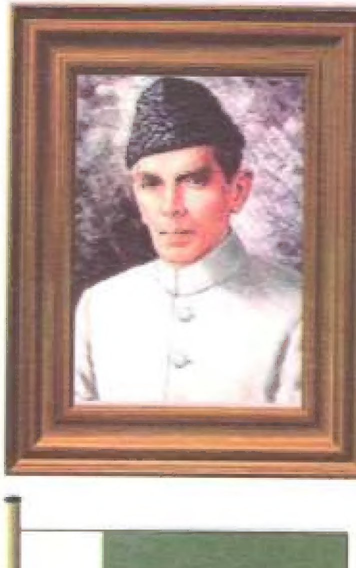

"تعلیم پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دُنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ تعلیمی میدان میں مطلوبہ پیش رفت کے بغیر ہم نہ صرف اقوامِ عالم سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ہوسکتا ہے کہ ہمارا نام و نشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔"

قائدِاعظم محمد علی جناحؒ، بانیِ پاکستان
(26 ستمبر 1947ء۔ کراچی)

قومی ترانہ

پاک سَرزمین شاد باد　　کِشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان　　ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد
پاک سَرزمین کا نِظام　　قُوتِ اُخوتِ عوام
قوم ، مُلک ، سلطنت　　پایندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد
پرچمِ ستارہ و ہلال　　رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال　-　جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذُوالجلال

15627

جعلی کُتب کی روک تھام کے لیے پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور کی درسی کُتب کے سرورق پر مستطیل شکل میں ایک "حفاظتی نشان" چسپاں کیا گیا ہے۔ ترچھا کر کے دیکھنے پر اس نشان میں موجود مونوگرام کا نارنجی رنگ، سبز رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مونوگرام کے نیچے موجود سفید جگہ کو سکے سے کھرچنے پر "PCTB" لکھا ظاہر ہوتا ہے۔ تصدیق کے لیے "حفاظتی نشان" پر دیے گئے کوڈ کو "8070" پر "PCTB(Space)Code No." لکھ کر SMS کریں اور انعامی سکیم میں شامل ہوں۔ اگر SMS کے جواب میں "حفاظتی نشان" پر درج سیریل نمبر موصول ہو تو کتاب اصلی ہے۔ درسی کُتب خریدتے وقت یہ "حفاظتی نشان" ضرور دیکھیں۔ اگر کسی کتاب پر یہ نشان موجود نہ ہو یا اس میں ردّ و بدل کیا گیا ہو تو ایسی کتاب ہرگز نہ خریدیں۔

سوِکس

12

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں ریویو کردہ وفاقی وزارتِ تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد۔
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

فہرست

باب نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
1	تحریک پاکستان نظریہ پاکستان کا مفہوم نظریہ پاکستان کی اہمیت تحریک علی گڑھ آل انڈیا مسلم لیگ 1906ء معاہدہ لکھنؤ 1916ء تحریک خلافت 1919ء 1935ء کا ایکٹ قرارداد پاکستان 1940ء 3 جون 1947ء کا منصوبہ	1
2	آئینی ارتقا 1947-73ء آئین کا تاریخی اجمالی جائزہ 1947-56ء 1956ء اور 1962ء کے آئین کے اہم خدوخال 1973ء کے آئین کے اہم خدوخال اور اسلامی دفعات مجلس شوریٰ (سینٹ اور قومی اسمبلی) صدر اور وزیر اعظم صوبائی خودمختاری سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ	35
3	پاکستان میں معاشرتی خدمات طبی ڈھانچہ طبی سہولیات صحت کے مسائل اور ان کا حل تعلیمی ڈھانچہ تعلیم کی اقسام تعلیمی مسائل اور ان کا حل	74
4	پاکستان میں معاشرتی نظم وضبط معاشرتی نظم وضبط کا مفہوم معاشرتی نظم وضبط کی اہمیت اسلامی تناظر میں آزادی، انصاف، اصول معدلت اور اختیارات کے حصول کے لیے معاشرتی نظم وضبط کے تقاضے پاکستان میں معاشرتی نظم وضبط کی موجودہ حالت پاکستان میں پولیس کا کردار	85
5	قومی یکجہتی وسالمیت مفہوم قومی یکجہتی وسالمیت کی اہمیت اسلامی ریاست میں قومی یکجہتی وسالمیت قومی یکجہتی کے مسائل اور ان کا حل	93
6	اسلامی جمہوریہ پاکستان اور دنیا خارجہ پالیسی کا مفہوم پاکستان کی خارجہ پالیسی کو متعین کرنے والے عوامل پاکستان کی خارجہ پالیسی کے نمایاں خدوخال پاکستان کے ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات اسلامی کانفرنس کی تنظیم اور اقتصادی تعاون کی تنظیم میں پاکستان کا کردار اقوام متحدہ اور اس کے ادارے بین الاقوامی تنازعات کو حل کرنے میں اقوام متحدہ کا کردار	99

مصنفین: پروفیسر رحمان اللہ چوہدری ★ پروفیسر محمد فاروق ملک ★ پروفیسر آفتاب احمد ڈار

ڈائریکٹر مسودات: ڈاکٹر مبین اختر
ڈپٹی ڈائریکٹر گرافک / سینئر آرٹسٹ: عائشہ وحید

ناشر: چوہدری اینڈ سنز لاہور
مطبع: چوہدری اینڈ سنز لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
اپریل 2018ء	اول	17	14,500	51.00

باب 1

تحریک پاکستان

(Pakistan Movement)

مملکت خداداد پاکستان 14 اگست 1947ء کو وجود میں آئی۔ بیسویں صدی میں بہت سی قوموں کو آزادی نصیب ہوئی اور کئی آزاد اور خود مختار مملکتیں دنیا کے نقشے پر ابھریں۔ پاکستان بھی اُن میں سے ایک ہے لیکن پاکستان کی بنیاد بالکل منفرد اور جداگانہ تھی۔ بیشتر ممالک نسل، زبان اور علاقے کی بنیاد پر تخلیق ہوئے۔ پاکستان واحد ملک ہے جو ایک مضبوط نظریہ کے سبب وجود میں آیا۔

پاکستان کے قیام کے واضح شعور اور پاکستان کے استحکام کے پختہ عزم کے لیے اس نظریہ کا فہم ضروری ہے۔ انگریزی میں نظریے کے لیے "آئیڈیالوجی (Ideology)" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

ڈاکٹر جارج براس (Dr. George Brass) کے الفاظ میں:

"عام زندگی کا ضابطہ یا کوئی پروگرام جس کی بنیاد فکر و فلسفہ پر استوار ہو آئیڈیالوجی کہلاتا ہے۔"

ورلڈ انسائیکلوپیڈیا (World Encyclopaedia) کی تعریف کی رُو سے:

"نظریہ سیاسی اور تمدنی اصولوں کا مجموعہ ہے جس پر کسی قوم یا تہذیب کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ یہ کسی قوم یا ثقافت کے فطری نشو و نما کے عمل میں مدغم بھی ہو سکتی ہے۔"

نظریہ سے مراد ایسا ضابطہ یا پروگرام ہے جس کی بنیاد فلسفہ و فکر پر رکھی گئی ہو اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں مثلاً سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی مسائل کے حل کے لیے کوئی منصوبہ بنایا گیا ہو۔

نظریہ پاکستان کا مفہوم (Meanings of Ideology of Pakistan)

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کی بنیاد ایک فلسفۂ حیات پر استوار کی گئی۔ یہ فلسفہ دین اسلام ہے۔ پاکستان کی تمام تر اساس دین اسلام ہے اور یہی وہ لائحہ عمل اور جذبہ ہے جو تحریکِ پاکستان کا موجب بنا۔

نظریہ پاکستان اور اسلامی نظریہ حیات کو ہم معنی قرار دیا جاتا ہے۔ بلاشبہ اسلامی نظریہ حیات، نظریہ پاکستان کی بنیاد ہے۔

برصغیر میں صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ وہ اپنے مذہب کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ انگریزوں کا راج قائم ہوا تو اسلام اور مسلمانوں کی آزاد حیثیت کو نقصان پہنچا۔ مسلمان اس سارے عرصے میں اسلامی نظام لانے کا خواب دیکھتے رہے۔ غیر مسلموں کے اقتدار میں مسلمان مجبور اور محکوم رہے۔ انگریزوں کے قدم اکھڑنے لگے تو صاف نظر آ رہا تھا کہ برصغیر پر ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے گی اور مسلمان انگریزوں کی عارضی غلامی سے نجات پا کر ہندوؤں کی دائمی غلامی کا شکار ہو جائیں گے۔ سرسیّد احمد خاں، قائداعظم محمد علی جناحؒ، علامہ اقبالؒ اور کئی دوسرے مسلم اکابرین نے برصغیر کے مسلم عوام کے تحفظ، وقار اور آزادی کے لیے کوششیں شروع کیں۔ انھی اکابرین کی کوششوں کے نتیجے میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔

قائداعظمؒ اور نظریہ پاکستان

☆ قائداعظمؒ نے مسلمانوں کو ایک مکمل قوم اور اسلام کو ایک مکمل نظام کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے بڑے عمدہ الفاظ میں تشریح کردی

تھی جب انھوں نے فرمایا:

''پاکستان تو اُسی روز وجود میں آ گیا تھا جب پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔''

☆ برصغیر کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ اور مکمل قوم ثابت کرتے ہوئے آپ نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں فرمایا:

''ہندومت اور اسلام صرف مذاہب نہیں بلکہ دو جداگانہ سماجی نظام ہیں اس لیے یہ تصور محض خواب ہی سمجھنا چاہیے کہ مسلمان اور ہندو کبھی ایک مشترکہ قوم میں ڈھل جائیں گے۔ دونوں قوموں کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے اور ہر دو تہذیبیں اپنی بنیاد جن افکار اور حقیقتوں پر رکھتی ہیں، وہ ایک دوسرے کی تہذیبوں سے مختلف ہیں۔''

☆ 1941ء میں آپ نے فرمایا:

''انڈیا کبھی بھی ایک ملک یا ایک قوم نہیں تھا۔ برصغیر کا مسئلہ بین الاقوامی مسئلہ ہے اور موجودہ اختلافات ثقافتی، سماجی اور اقتصادی نوعیت پر اپنی اساس رکھتے ہیں۔''

☆ قائداعظمؒ اسلامی نظام کو پوری طرح قابل عمل سمجھتے تھے اور قرآن پاک کو بنیاد مان کر ملکی نظام کو استوار کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 1943ء میں کراچی میں فرمایا:

''وہ کون سا رشتہ ہے جس سے وابستہ ہونے سے سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر اس ملت کی عمارت کھڑی کی گئی ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان اور وہ لنگر خدائے بزرگ و برتر کی کتاب قرآن مجید ہے۔''

☆ قائداعظمؒ نے تقسیم برصغیر کے حوالے سے فرمایا:

''ہمارے دلوں میں آزادی کی بے پناہ تڑپ ہے۔ ہم برطانوی تسلط سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس بات پر کبھی راضی نہیں ہو سکتے کہ ہمیں ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کی غلامی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے''۔

☆ آپ نے تخلیق پاکستان کے بعد قیام پاکستان کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا:

''دس سال سے ہم جس مملکت کی تخلیق کے لیے کوشاں تھے، خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی سے اب ایک حقیقت بن چکا ہے۔ اب پاکستان کا مقصد ہمارے لیے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہم نے ایک ایسی ریاست بنائی ہے جس میں ہم آزاد افراد کی طرح رہ سکیں، اپنی تہذیب و ثقافت کو ترقی دے پائیں اور اسلام کے اجتماعی نظام عدل کے اصولوں پر عمل پیرا ہو سکیں۔''

☆ نظریہ پاکستان کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے ایک بار یوں فرمایا:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ محض زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔''

☆ قائداعظمؒ نے 1948ء میں سبی دربار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اسلام محض رسوم و روایات اور روحانی نظریات کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک ضابطہ حیات ہے جو ہر مسلمان کے لیے ہے تاکہ وہ اپنی روزمرہ زندگی، اپنے افعال و اعمال اور سیاست و معاشیات میں اس پر عمل پیرا ہو سکے۔ اسلام میں

سب انسان برابر ہیں۔ صرف ایک خدا کا تصور اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ مساوات، آزادی اور اخوت اسلام کی اساس ہیں۔''

علامہ اقبالؒ اور نظریہ پاکستان

علامہ اقبالؒ نے برصغیر میں واحد قوم کے وجود کا تصور مسترد کر دیا اور مسلم قوم کی جداگانہ حیثیت پر زور دیا۔ اسلام کو ایک مکمل نظام مانتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے اسی بنیاد پر برصغیر کے شمال مغرب میں علیحدہ مسلم ریاست کے قیام کا تصور آل انڈیا مسلم لیگ کے الہ آباد کے اجلاس منعقدہ 1930ء میں پیش کیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ:

''انڈیا ایک برصغیر ہے، ملک نہیں۔ یہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ رہتے ہیں اور مسلم قوم اپنی علیحدہ پہچان رکھتی ہے۔ تمام مہذب قوموں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی اصولوں اور ثقافتی و سماجی اقدار کا احترام کریں۔''

ان سے پہلے بھی دو قومی نظریہ کی بنیاد پر جداگانہ مملکت کا ذکر بعض اکابرین نے کیا تھا لیکن علامہ اقبالؒ کا نظریہ جامع اور تفصیلی انداز کا حامل تھا۔

نظریہ پاکستان کی اہمیت (Significance of Ideology of Pakistan)

i- نظریاتی بنیاد

پاکستان کے وجود کا انحصار اُس نظریہ پر ہے جس کی بنیاد پر یہ مملکتِ خداداد وجود میں آئی۔ نظریہ پاکستان ملک کی روح ہے اور اس کے تحفظ اور سالمیت کا باعث ہے۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے پاکستان اسی نظریہ کے حوالے سے مانگا اور یہی نظریہ اسے مضبوط اور مستحکم رکھ سکتا ہے۔ تاریخ نے ہمیں سبق دیا ہے کہ نظریہ پاکستان سے انحراف کی بنا پر 1971ء میں ہمارا پیارا ملک دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ وہ قوت کمزور پڑ گئی جو پاکستان کے مختلف علاقوں کو آپس میں متحد رکھے ہوئے تھی۔ نظریہ پاکستان سے دوری ملی یکجہتی اور استحکام کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی اور اگر ملت اسلامیہ نے نظریاتی سرحدوں کو مضبوط نہ بنایا تو مستقبل میں بھی خطرات کا سامنا ہو سکتا ہے۔

ii- وحدت کی بنیاد

پاکستان میں کئی زبانیں بولنے والے لوگ رہتے ہیں، اُن کی ثقافتیں، روایات اور نسلیں مختلف ہیں اور رنگوں میں بھی یکسانیت نہیں ہے۔ ایسے میں وہ واحد قوت جو تمام پاکستانیوں کو ملت واحد میں ڈھالے ہوئے ہے اور ان کے درمیان مضبوط بندھن کا باعث ہے، دین اسلام ہے۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اور پاکستانی عوام دوسری پہچان کو ایک طرف رکھتے ہوئے اپنی پہچان اپنے مذہب کے حوالے سے کراتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے مذہبی بنیادوں پر زور دیا اور کہا کہ مسلمان اسلام کی وجہ سے ایک ملت ہیں اور ان کی قوت کا دارومدار بھی اسلام ہے۔ انھوں نے مسلم ملت کی اساس کے حوالے سے حقیقی تصور اپنے اشعار میں پیش کیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

ہندوؤں اور انگریز حکومت کی مشترکہ قوت قائداعظمؒ اور آل انڈیا مسلم لیگ کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر رہی تھی۔ قائداعظمؒ ان دونوں سے لڑ کر برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی دلانا چاہتے تھے۔ ہندوؤں کی عددی برتری اور انگریز حکومت کی بے پناہ طاقت مسلمانوں کو پاکستان بنانے سے نہ روک سکی۔ اس کی وجہ اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی تھی۔ قائداعظمؒ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے مسلسل کوشاں رہے اور مخالفتوں کے پہاڑ بھی اُن کا راستہ نہ روک سکے۔ قائداعظمؒ کے درج ذیل الفاظ آج بھی پاکستانی قوم کے ارادوں کو مضبوط بنانے کا باعث بنتے ہیں جو آپ نے 1939ء میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرمائے:

''ہندوؤ! تمہاری تعداد زیادہ ہوا کرے، تم ترقی یافتہ ہو! تمھاری معیشت مستحکم سہی اور تم سمجھتے ہو کہ سروں کی گنتی سے آخری فیصلے ہوتے ہیں، یہ سب غلط ہے۔ میں تمہیں بتادوں کہ ہماری روح کو تم تباہ نہیں کر سکتے۔ تم اُس تہذیب کو مٹا نہیں سکتے جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہمارا ایمان زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بے شک تم ہمیں مغلوب کرو، ہم پر ستم ڈھاؤ اور ہم سے بدترین سلوک روا رکھو لیکن ہم نے پختہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اگر مرنا ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔''

مسلم قوم نے اپنے عظیم قائد کی سربراہی میں اپنے آپ کو ایک مضبوط اور بھرپور قوم ثابت کیا اور ملّی وحدت کے ذریعے مسلمانوں کے جداگانہ قومیت کے تصور کو کامیاب بنایا۔ یہ تصور نظریہ پاکستان کہلایا۔

iii- مثالی ریاست

اسلامی اصولوں کی ترویج کے لیے مملکت خداداد پاکستان تخلیق کی گئی۔ اس سرزمین کو ایک تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ طے پایا کہ اسلام کے سنہرے اصولوں پر مبنی معاشرہ بنایا جائے گا جہاں انصاف، مساوات، آزادی اور رواداری جیسی خصوصیات کو ابھارا جائے گا۔ قائداعظمؒ سے سوال کیا گیا کہ غیر منقسم جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی ہے تو پھر پاکستان کا مطالبہ کیوں؟ آپ نے فرمایا:

''بھائی چارہ، مساوات اور انسان دوستی ہمارے مذہب، ثقافت اور تہذیب کے بنیادی نکات ہیں۔ چونکہ ہمیں ان بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کا خدشہ تھا اس لیے ہم نے پاکستان کی تخلیق کے لیے جدوجہد کی۔''

قائداعظمؒ کی نظر میں پاکستان ایک ایسا ملک بنا تھا جہاں حقوق، آزادیاں، انصاف اور رواداری کارفرما ہونا تھی۔ یوں پاکستان دوسرے ممالک اور معاشروں کے لیے ایک مثال بن سکتا تھا تاکہ وہ بھی اس کے نقش قدم پر چل کر خوشگوار اور فلاحی صورت اختیار کر سکتے۔ نظریہ پاکستان فلاحی اور مثالی ریاست کے قیام کی بنیاد سمجھا گیا۔

iv- قومی استحکام

پاکستان قائم بھی اسلام کے نام پر ہوا اور اس کو مستحکم بھی اسلام کے نام پر ہی بنایا جا سکتا ہے۔ آج کی پاکستانی نسل نے نہ پاکستان تخلیق ہوتے دیکھا نہ اسے ان قربانیوں کا تجربہ ہوا جو اس سے پہلے والی نسل نے دے کر اس ملک کو نقشے پر جگہ دلانے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ آج کی نسل کو نظریہ پاکستان اور قیامِ پاکستان کے اغراض و مقاصد سے پوری طرح آگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ جذباتی وابستگی کا جاری رکھا جانا ضروری ہے اور لازم ہے کہ آج کے پاکستانیوں کو نظریہ پاکستان سے پوری طرح روشناس کرایا جائے۔ انھیں

اُس عظیم تحریک کی تفاصیل سے آگاہ کیا جائے جو پاکستان کی تخلیق کے لیے جنوبی ایشیا میں چلائی گئی۔ پاکستان کے عوام کو مضبوط اور متحد رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ انھیں نظریہ پاکستان کی اہمیت اور اُس کے پیش رؤوں کی قربانیوں کا پوری طرح علم ہو۔ ملک بھر میں فرقہ وارانہ لسانی، علاقائی اور صوبائی تعصبات کو پاکستان دشمن ہوا دے رہے ہیں۔ ان تعصبات کی بیخ کنی کے لیے نظریہ پاکستان سے دلی وابستگی کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

v- جمہوریت کی کامیابی

پاکستان میں سیاسی عمل اور جمہوری طور طریقوں کو کامیابی سے ہمکنار کر کے ترقی کی منازل طے کی جا سکتی ہیں۔ پاکستان کی تخلیق جمہوری اور سیاسی عمل کا نتیجہ ہے۔ اسے مسلم عوام کی بہت ہی بڑی اکثریت نے اپنے حق خودارادیت کو منواتے ہوئے بنایا۔ پاکستان کا تحفظ بھی جمہوری اقدار کے فروغ اور عوامی قوتوں کو اعلیٰ حیثیت دے کر کیا جا سکتا ہے۔ اسلام اپنی روح میں ایک جمہوری نظام ہے۔ اس میں شورائی طریقے کو اپنایا جاتا ہے اور قانون کی حاکمیت کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ اگر نظریہ پاکستان پر پوری طرح عمل کیا جائے تو ملک میں رواداری، انصاف اور جمہوریت کی جڑیں مضبوط ہو سکتی ہیں۔ نظریہ اسلام میں جمہوریت ایک اہم ستون کی حیثیت رکھتی ہے۔ پاکستان میں نظریاتی بنیادوں کی کمزوری کی ایک بڑی وجہ جمہوری قدروں کی پامالی ہے۔ قومی تعمیر نو کا انحصار ملی جذبوں کی آبیاری، جمہوریت کی کامیابی اور اسلام سے وابستگی پر ہے۔ قائداعظمؒ نے مارچ 1942ء میں ایک تقریر میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا۔

''ہمارے وجود کا احساس اسلام ہے۔ ہم ایک ہیں اور ہمیں ایک قوم ہی کی حیثیت میں آگے بڑھنا ہے۔ یہی صورت ہے جس سے ہم پاکستان کو قائم رکھ سکتے ہیں۔''

vi- اسلامی ریاست

قائداعظمؒ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا تھا کہ پاکستان ایک مذہبی نہیں بلکہ اسلامی ریاست ہوگی۔ یہاں غیر مسلموں کو مسلمانوں کے مساوی درجہ ملے گا۔ وہ آزاد اور خوش گوار فضا میں سانس لے سکیں گے اور انھیں برابر حقوق حاصل ہوں گے۔ رواداری اور انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔ قائداعظمؒ پاکستان کو تھیوکریٹک سٹیٹ *(Theocratic State)* نہیں بنانا چاہتے تھے۔ انھوں نے فرمایا:

''ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ پاکستان تھیوکریٹک ریاست ہے۔ اسلام تمام عقائد کو برداشت کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہم ان سب اقوام کا خیر مقدم کرتے ہیں جو پاکستان کی تعمیر و ترقی میں ہمارے ساتھ شریک ہونا چاہتی ہیں۔''

11 اگست *1947*ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں آپ نے اسلامی ریاست کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ عبادت کے لیے اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔ آپ کا تعلق چاہے کسی عقیدے سے ہو، ریاست کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ پاکستان کے تمام شہری مساوی ہیں اور انہیں مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔''

تحریک علی گڑھ (Aligarh Movement)

برصغیر کے مسلمانوں نے *1857*ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد تحریک علی گڑھ کے نام سے ایک تحریک چلائی جس کے قائد سرسیّد احمد خاں تھے۔ انہیں نواب محسن الملک، نواب وقارالملک، مولانا شبلی نعمانی، مولانا حالی، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا چراغ علی اور کئی دیگر عظیم شخصیتوں کا تعاون حاصل رہا۔ اس تحریک نے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کی قیادت کی اور اُن کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

تحریک علی گڑھ کا پس منظر

1857ء کی جنگ آزادی ختم ہوئی تو مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اگرچہ ہندوؤں نے بھی جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا لیکن وہ مسلمانوں کو تمام کارروائیوں کا ذمہ دار قرار دے کر خود بری الذمہ ہو گئے۔ مسلم قوم زیرِ عتاب آئی اور انہیں سنگین نتائج بھگتنا پڑے۔

- ☆ مسلمانوں کی کثیر تعداد موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ مسلمان ہونا جرم قرار پایا۔ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا گیا۔ لارڈ رابرٹ (Lord Robert) نے لکھا ہے کہ دہلی کے اندر ہر جانب لاشوں کے انبار تھے۔ اتنے مسلمان موت کا نشانہ بنے کہ اُن کے خون سے گھوڑوں کے سُم ڈوب جاتے تھے۔
- ☆ مسلمانوں کی جاگیریں چھن گئیں، اُن کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور اُن کے کاروبار بند ہو گئے۔ انھیں سرکاری ملازمتوں خصوصاً فوج سے نکال دیا گیا۔ مسلمان کسانوں کو زمینوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ جاگیریں اور زمینیں غیر مسلموں کو بطور انعام دے دی گئیں۔ سرسیّد نے مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ ''کوئی بلا آسمان سے ایسی نہیں اتری جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے کسی مسلمان کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔'' معاشی و معاشرتی اعتبار سے مسلم قوم ذلتوں کا شکار ہوئی۔ مسلمان اپنی جانیں بچانے کے لیے دور دراز علاقوں میں ہجرت کر گئے اور اپنے نام بدل کر رہنے لگے۔
- ☆ مذہبی آزادیاں چھن گئیں، مسجدوں پر تالے ڈال دیے گئے، مسجدیں بطور اصطبل استعمال ہونے لگیں اور مسلمانوں کے تعلیمی مراکز بند کر دیے گئے۔ مسلمانوں کی سو فیصد آبادی تعلیم یافتہ تھی لیکن آنے والے دور میں وہ تعلیمی سہولت سے محروم کر دیے گئے۔ اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کتابیں لکھی گئیں۔ مسلمانوں کے مذہب کا مذاق اڑایا گیا اور ہر طرح اُن کی دل آزاری کی گئی۔

تحریک کا آغاز

قریب تھا کہ مسلمان بالکل مٹ جاتے لیکن خدائے بزرگ و برتر نے سرسیّد احمد خاں کی صورت میں ایک عظیم راہ نما کو مسلمانوں کی بہبود کی ذمہ داری سونپی۔ مشکلات میں گھری ہوئی قوم کو سرسیّد نے حوصلہ دیا۔ اُن کو مزید تباہ ہونے سے بچایا اور اُن کے احیا کی کامیاب کوششیں کیں۔ خوش قسمتی سے بہت سی باصلاحیت اور خوبیوں کی مالک شخصیتیں ان کے ہم رکاب تھیں۔ سرسیّد نے علی گڑھ کو تحریک کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ سرسیّد کی قیادت میں تحریک علی گڑھ نے بے پناہ خدمات انجام دیں۔ تحریک کی بدولت مسلمانوں کو سیاسی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی شعبوں میں بہت مدد ملی اور وہ رفتہ رفتہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سرسیّد کی خدمات کی وجہ سے انھیں پاکستان کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ تحریک علی گڑھ ایک کثیر المقاصد تحریک تھی۔

سرسیّد ایک ماہر تعلیم، وسیع الذہن مذہبی راہ نما، عظیم صحافی، منفرد ادیب اور دور اندیش سیاست دان تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے، کوئی دوسرا کئی زندگیاں پا کر بھی ایسا نہ کر پاتا۔ انھوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا اور ہر شعبے میں کامیابیوں نے اُن کے قدم چومے۔

تحریک علی گڑھ کی خدمات

1۔ تعلیمی خدمات

سرسیّد نے مسلمانوں کے لیے تعلیم کی ضرورت پر بڑا زور دیا اور تلقین کی کہ جدید مغربی اور سائنسی تعلیم حاصل کر کے وہ جلد از جلد برصغیر کی دوسری اقوام کے برابر مقام حاصل کریں، ملازمتوں کے لیے مقابلہ کریں اور سماجی و اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی سعی کریں۔ تعلیم کی اہمیت کو بیان کرنا ہی انھوں نے کافی نہ سمجھا بلکہ عملی اقدام اٹھائے اور مسلمانوں کو تعلیم کے حصول میں سہولتیں مہیا کیں۔

i- تعلیمی اداروں کا اجرا

سرسیّد نے 1859ء میں مراد آباد، 1862ء میں غازی پور اور 1875ء میں علی گڑھ میں تعلیمی اداروں کا اجرا کیا۔ ان اداروں میں جدید علوم، بالخصوص انگریزی ادب اور سائنس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اسلامی تدریس کا بھی اعلیٰ بندوبست موجود تھا۔

ii- سائنٹیفک سوسائٹی

سرسیّد جدید علوم کو مسلمانوں تک جلد از جلد پہنچانا چاہتے تھے۔ سرسیّد نے سائنٹیفک سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ غازی پور میں 1863ء میں قائم کیا۔ اس ادارے میں انھوں نے مغربی کتابوں کے تراجم کروائے اور اُردو زبان میں ایک بڑا ذخیرہ منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سرسیّد علی گڑھ تبدیل ہوئے تو سوسائٹی کا صدر دفتر بھی غازی پور سے علی گڑھ منتقل کر دیا گیا۔ سوسائٹی ایک ہفتہ وار رسالہ بھی شائع کرتی رہی جس میں تحریک علی گڑھ کی سرگرمیوں کا احاطہ کیا جاتا تھا۔

iii- جدید ترین نصاب

سرسیّد نے اپنے تعلیمی اداروں میں جدید ترین مغربی نصاب رائج کیا اور اس کی تخلیق میں انگریز اساتذہ کی خدمات انھیں حاصل رہیں۔ اسلامیات اور مشرقی علوم کی تدریس کا انتظام بھی بالتخصیص کیا گیا۔ سرسیّد نے قرآن پاک، سائنس اور انگریزی ادب کی تدریس بیک وقت جاری رکھی۔

iv- علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ

سائنٹیفک سوسائٹی کے زیرِ اہتمام 1866ء میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نکالا گیا۔ اس رسالے میں تحریک کی سرگرمیوں کی خبریں بھی شائع ہوتی تھیں اور برصغیر کے عوام کے معاشی، سماجی اور سیاسی مسائل پر مقالے بھی لکھے جاتے تھے۔ یہ گزٹ انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔

v- ایم اے او کالج علی گڑھ

1877ء میں علی گڑھ میں مشہور زمانہ علی گڑھ کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ سرسیّد کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دلانا چاہتے تھے اور اس ضمن میں انھوں نے ان تھک محنت کی۔ اُن کا یہ خواب اُن کی زندگی میں تو پورا نہ ہو سکا البتہ 1920ء میں علی گڑھ یونیورسٹی قائم ہوئی تو سرسیّد کے خوابوں کی تعبیر مل گئی۔ علی گڑھ کے اس ادارے نے زبردست قیادت کو جنم دیا جو بعد ازاں پاکستان کی تخلیق میں نمایاں کردار ادا کرتی رہی۔ سرسیّد نے اپنے اس ادارے کو آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کے ہم پلہ لانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ علی گڑھ کالج میں نصاب اور تعلیمی نظام پر ان یونیورسٹیوں کی گہری چھاپ نظر آتی رہی۔

سر سیّد انگلستان جاتے رہے اور انھوں نے بڑے نامی گرامی اور انگریز اساتذہ کو اپنے اداروں میں پڑھانے پر آمادہ کیا۔ ان میں آرچ بولڈ (*Arch Bold*) اور آرنلڈ (*Arnold*) بہت نمایاں رہے۔ انگریز اساتذہ نے اپنے فرائض احسن طریقے سے ادا کیے اور دیکھتے ہی دیکھتے نوجوان مسلم نسل جدید مغربی علوم سے بہرہ ور ہونے لگی۔

vi- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

1886ء میں اس کانفرنس کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اس کا مقصد صرف مسلمانوں کو جدید تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کے لیے بڑے بڑے مسلمانوں کی مدد کا حصول تھا۔ کانفرنس میں برصغیر کے طول و عرض سے کثیر تعداد میں درد دل رکھنے والے صاحبانِ ثروت تشریف لاتے رہے اور سر سیّد کے منصوبوں کی تکمیل کی کوششوں میں شریک رہے۔ امرا کے علاوہ مسلم دانشور بھی صلاح و مشورے کے لیے کانفرنس کے اجلاسوں میں آتے رہے۔ سر سیّد ایک دیا تھے جس سے کئی دیے جلے۔ کانفرنس مسلمانوں کے تعلیمی پہلو کے علاوہ سیاسی، اقتصادی اور سماجی پہلوؤں کا بھی احاطہ کرتی رہی۔ اس کانفرنس کے 1906ء کے ڈھاکہ اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

2- ادبی و علمی خدمات

سر سیّد نے ادب اور شاعری کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے ایک نیا مکتبہ فکر تخلیق کیا۔ آپ نے مسلم ادیبوں اور شاعروں کو بامقصد اور قومی تحریریں پیش کرنے کی دعوت دی۔ وہ آسان زبان میں اپنا پیغام عوام تک پہنچانا چاہتے تھے۔ ادب اور شاعری کے میدان میں سر سیّد کو بڑی اہم شخصیات کا تعاون حاصل رہا۔ وہ خود بھی اچھے انشا پرداز تھے۔ انھوں نے خود کتابیں لکھیں اور ساتھیوں سے بھی لکھوائیں۔ سر سیّد احمد خاں اور ان کے ساتھیوں کی چند کتب کا تذکرہ ذیل میں کیا گیا ہے:

سر سیّد احمد خاں:	خطبات احمدیہ، تبیین الکلام، تفسیر قرآن مجید، رسالہ اسباب بغاوت ہند، تاریخ سرکشی بجنور اور آثار الصنادید وغیرہ
ڈپٹی نذیر احمد:	توبۃ النصوح، ابن الوقت اور مرأۃ العروس وغیرہ
مولانا شبلی نعمانی:	سیرت النبیؐ، الفاروق، الغزالی اور المامون وغیرہ
مولانا الطاف حسین حالی:	مسدس حالی، موازنہ دبیر و انیس، دیوان حالی اور حیات جاوید وغیرہ

ان کے علاوہ کئی اہل قلم سر سیّد کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے جو مسلسل کتب لکھتے رہے۔ سر سیّد نے تہذیب الاخلاق کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس میں مسلم معاشرے کو بہتر بنانے کے لیے راہ نما اصول بیان کیے جاتے تھے۔ اس رسالہ نے اعلیٰ قدروں کے فروغ میں بڑی مدد دی۔

1867ء میں اُردو ہندی تنازعہ شروع ہوا تو سر سیّد نے اُردو کے تحفظ کے لیے اُردو ڈیفنس سوسائٹی بنائی۔ اس سوسائٹی نے مسلمانوں کی زبان، ثقافت اور اخلاقی قدروں کو بچانے کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔

3- مذہبی خدمات

سر سیّد نے اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے قابل قدر اقدام اٹھائے۔ آپ نے مذہبی نوعیت کی متعدد کتابیں خود بھی لکھیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی تحریر کروائیں۔ تفسیر قرآن، خطبات احمدیہ، تبیین الکلام، رسالہ احکام طعام اہل کتاب سمیت کئی کتب اور کتابچے لکھے۔ سر سیّد اسلام کو جدید اور سائنٹیفک انداز میں پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ مغربی دنیا کے مفکرین اور عوام اس سے متاثر ہوں۔ اُن دنوں مسلمانوں کے خلاف عیسائی مشنریوں نے محاذ کھول رکھے تھے۔ سر سیّد نے دونوں قوموں کے درمیان مفاہمت کی راہ اپنانے پر زور دیا۔ اسلام اور عیسائیت کو اللہ تعالیٰ کے یکے بعد دیگرے آنے والے دو پیغامات کا مجموعہ کہا نیز مسلمانوں اور حکومت کے درمیان جو نفرت پائی جاتی تھی اُسے دور کرنے کی کامیاب سعی کی۔ تبیین الکلام میں قرآن پاک اور بائبل کے مضامین کا موازنہ کر کے ثابت کیا کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں اور ان میں کوئی تضادات نہیں ہیں۔ بائبل سمجھنے کے لیے آپ نے ایک یہودی سے عبرانی زبان سیکھی۔

سر سیّد کے مذہبی افکار سے علما کرام کی بڑی تعداد نے اختلاف کیا حتیٰ کہ علی گڑھ تحریک میں شامل علما بھی اُن کے ہم خیال نہیں تھے۔ سر سیّد کے نظریات کی وجہ سے اُن کے خلاف فتوے جاری کیے گئے اور ان پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے۔ اختلاف اپنی جگہ لیکن سر سیّد کا مقصد نیک اور مثبت تھا۔ وہ مسلمانوں میں رواداری اور محبت کے جذبوں کو ابھارنا چاہتے تھے۔ عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا بھی سر سیّد نے مقابلہ کیا۔ ولیم میور (William Mure) نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں حضور پاکؐ کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ اسلام پر رکیک حملے کیے گئے تو سر سیّد خاموش نہ بیٹھ سکے۔ انھوں نے انگلستان میں ولیم میور کی تحریر کی تردید میں خطبات دیے جو بعد ازاں خطباتِ احمدیہ کے نام سے چھاپے گئے۔ سر سیّد نے اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ کروایا۔

سر سیّد نے مساجد اور مدرسوں کے تالے کھلوائے اور مسلمان آزادی سے نماز و دیگر فرائض کی ادائیگی کرنے لگے۔ انگریز فوجیوں کے زیر استعمال جو عمارتیں تھیں وہ بھی مسلمانوں کو واپس دلوائیں۔ مدرسوں میں دینی تعلیم کے اجرا کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

4- معاشی و معاشرتی خدمات

مسلمان جنگ آزادی کے بعد تباہ حال ہو چکے تھے۔ اُن کی جائیدادیں اور جاگیریں چھن گئی تھیں اور انھیں ملازمتوں سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ تباہی مسلمانوں کا مقدر نظر آ رہی تھی کہ تحریک علی گڑھ نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ہمہ گیر سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ سر سیّد کی کوششوں سے مسلمانوں کے لیے عام معافی کا اعلان ہوا، قتل و غارت کا سلسلہ ختم ہوا اور مسلمانوں کا دوبارہ معاشرے میں باعزت طور پر زندگی گزارنے کے عمل کا آغاز ہوا۔

- i- سر سیّد نے 1870ء میں رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا جس کا مقصد مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح تھا۔ اس رسالے میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے مضامین لکھوائے گئے یہ تحریریں مسلمانوں اور حکومت کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو کم کرنے کا باعث بھی بنیں۔
- ii- مسلمانوں کو عتاب سے بچانے کے لیے سر سیّد نے ایک کتابچہ لکھا جسے 'لائل محمڈنز آف انڈیا' کا عنوان دیا گیا۔ اس کتابچے میں مسلمانوں کی خدمات گنوائی گئیں اور حکومت کو اپنا رویہ بدلنے پر آمادہ کیا گیا۔
- iii- رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند لکھ کر سر سیّد نے وہ اسباب گنوائے جو 1857ء کی جنگ آزادی کا باعث بنے۔ جس میں

سرسید احمد خاں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جنگ آزادی 1857ء کا ایک اہم سبب انگریزوں کا مسلمانوں اور دیگر اقوام کے خیالات وثقافت سے لاعلمی تھا۔ سرسیّد نے زیادہ ذمہ داری انگریز عاملوں پر عائد کی اور کہا کہ عوام سے دوری کی پالیسی بغاوت کے پھوٹ پڑنے کا سبب تھی۔ اس رسالہ کی 500 کاپیاں چھپوا کر برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان اور دیگر انگریز زعما میں تقسیم کی گئیں۔ تحریر کا اثر دکھائی دیا اور حکومت نے آئندہ کسی بغاوت کے امکان کو دور کرنے کے لیے سرسیّد کے مشوروں کو صائب اور قابل عمل سمجھتے ہوئے اپنی پالیسیوں میں ردّوبدل کیا۔

5- سیاسی خدمات

سرسیّد نے شروع میں مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ سیاست سے اجتناب کریں اور اپنی ساری توانائیاں تعلیم کے حصول اور بہتر معاشی ومعاشرتی حالات کی تخلیق کے لیے صرف کردیں۔ مگر بعد میں سرسیّد خود بھی سیاست میں مسلمانوں کے حقوق اور مقام کے تحفظ کے لیے کوشاں ہوگئے۔ انھوں نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو تعلیمی، معاشی اور معاشرتی مقاصد کے علاوہ سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ مسلم اکابرین کانفرنس میں تشریف لاتے اور سرسیّد مسلمانوں کے حقوق کے حوالے سے قراردادیں منظور کروا کے حکومتی شعبوں کو بھیج دیتے۔ یوں سیاسی پہلو میں بھی ضروری اقدام اٹھائے جاتے رہے۔ آپ نے سیاسی حوالے سے جو اہم کام کیے درج ذیل تھے۔

i- ہندو مسلم اتحاد

سرسیّد کی بھرپور کوشش رہی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہم اتحاد قائم ہو اور دونوں قومیں مل کر برصغیر کی ترقی کے لیے آگے بڑھیں۔ سرسیّد نے ہندوستان کو ایک دلہن سے تشبیہ دی جس کی دو خوبصورت آنکھیں ہندو اور مسلمان تھے۔ سرسیّد نے اپنے تعلیمی اداروں میں ہندو طلبہ کو داخلے دیے اور اپنے تدریسی سٹاف میں ہندو اساتذہ کو بھی بھرتی کیا۔ سرسیّد ہندو مسلم یکجہتی اور دوستی کو فروغ نہ دے سکے۔ انہیں مایوسی ہوئی اور اس کا سبب ہندوؤں کی تنگ نظری، خود غرضی اور مسلم دشمنی تھی۔ ہندو قیادت کو جب بھی موقع ملا مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کی کوشش کی اور اُن کی تہذیب، ثقافت اور زبان کو نقصان پہنچایا۔

ii- اُردو ہندی تنازعہ

برصغیر میں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں فارسی کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل رہا۔ بعدازاں اردو زبان ابھری اور سرکاری دفاتر میں تمام کارروائی اردو میں ہونے لگی۔ جنگ آزادی کے خاتمے کے بعد ہندوؤں نے اردو کے خلاف سازش شروع کردی اور چاہا کہ اردو کی بجائے ہندی کو سرکاری زبان کا مقام حاصل ہوجائے۔ ہندی دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے جب کہ اردو کا رسم الخط فارسی اور عربی سے متاثر ہے۔ بنارس سے ہندی کے حق میں 1867ء میں ایک تحریک اٹھی تو سرسیّد کو بہت دکھ ہوا۔ انھوں نے کہا کہ اگر ہندو اس معمولی سی بات کو بھی برداشت نہیں کرسکتے تو آگے چل کر یہ دونوں قومیں اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ انھوں نے اردو کے دفاع میں ایسوسی ایشن بنائی، سرکاری لوگوں سے ملے اور اردو کو تباہ کرنے کی ہندو مہم کے برے اثرات سے انھیں آگاہ کیا۔ اردو ہندی تنازعہ مسلم ہندو اختلافات کا بنیادی باعث بنا۔ راستے الگ الگ ہوگئے۔ اس سے پہلے سرسیّد ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کے داعی تھے۔ مگر اب مجبوراً وہ صرف مسلمانوں کی بات کرنے لگے۔ بنارس کے کمشنر مسٹر شیکسپیئر سے ایک ملاقات میں سرسیّد نے پیش گوئی کی کہ اردو ہندی تنازعہ ہندو مسلم اتحاد کو ختم کردے گا اور دونوں قوموں کے درمیان اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہوجائے گی۔

iii- برٹش انڈین ایسوسی ایشن

1866ء میں سرسیّد نے برصغیر کے عوام کے حقوق کے لیے ایک تنظیم ''برٹش انڈین ایسوسی ایشن'' کے نام سے بنائی۔ تنظیم کے ذریعے برطانوی حکومت سے تعاون بڑھانے کا فیصلہ کیا گیا اور کہا گیا کہ مقامی آبادی میں وفاداریوں کے جذبات کو بڑھایا جائے گا۔ اس تنظیم کے پہلے صدر ایک ہندو راجہ جے کشن داس اور سیکرٹری سرسیّد احمد خاں تھے۔ اسی تنظیم کی طرز پر ایک اور تنظیم ''انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن'' کے نام سے تخلیق کی گئی۔

iv- ولیم ہنٹر کی تصنیف

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر (William Wallace Huntre) نے برصغیر کے مسلمانوں پر 1857ء کے بعد گزرنے والے حالات کی تصویر کشی اپنی کتاب Our Indian Muslims میں کی اور اُن اسباب پر روشنی ڈالی جو جنگ آزادی کا باعث بنے تھے۔ سرسیّد نے ہنٹر کی کتاب پر تبصرہ لکھا۔ اگرچہ کتاب کے زیادہ تر حصے میں مسلمانوں کے لیے مثبت نقطۂ نظر پیش کیا گیا تھا لیکن کہیں کہیں مسلم قوم کے خلاف بھی مواد شامل تھا۔ سرسیّد نے مسلمانوں کے خلاف اٹھائے جانے والے نکات کی وضاحت کر کے اپنے تبصرے میں مسلمانوں کی مؤثر وکالت کی۔

v- انڈین نیشنل کانگرس

1885ء میں لارڈ ڈفرن (Lord Dafrin) اور اے۔او۔ ہیوم (A.O. Hume) کی کوششوں سے برصغیر کی پہلی مکمل سیاسی جماعت ''انڈین نیشنل کانگرس'' قائم کی گئی۔ سرسیّد کو بھی اس کی رکنیت اختیار کرنے کی دعوت دی گئی لیکن انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ وہ کانگرس کی مستقبل کی سرگرمیوں کے حوالے سے فکر مند تھے۔ کانگرس بنی تو اس کی قیادت میانہ رو افراد کے ہاتھوں میں تھی۔ سرسیّد کو خدشہ تھا کہ رفتہ رفتہ انتہا پسند لوگ کانگرس پر چھا جائیں گے اور اس کی حکمت عملی ایک نئی جنگ آزادی کو جنم دے گی۔ سرسیّد مسلمانوں کو سیاست سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے مسلمانوں کو کانگرس میں شرکت سے گریز کا مشورہ دیا۔ سرسیّد کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی اور انگریزوں کی پروردہ انڈین نیشنل کانگرس کی بیسویں صدی کے اوائل میں قیادت انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلی گئی جس نے مسلمانوں کے مفادات کو پس پشت ڈال دیا۔

vii- حکومت سے تعاون

سرسیّد مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان دوری کو کم کرنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے مفاہمت اور تعاون کی پالیسی اختیار کی۔ رسالہ اسباب بغاوت ہند لکھ کر مسلمانوں کی زبردست وکالت کی۔ انگریز حکومت کو مسلمانوں کی وفاداریوں کا یقین دلایا اور مسلمانوں کے لیے ملک بھر میں بہتر حالات کار پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

viii- دو قومی نظریہ

سرسیّد نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم کہا اور حکومت کو باور کرایا کہ برصغیر میں کم از کم دو قومیں آباد ہیں۔ ایک مسلمان اور دوسرے غیر مسلم۔ مسلمان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں کیونکہ اُن کی تہذیب، ثقافت، زبان، رسوم و رواج اور زندگی کا فلسفہ ہندوؤں سے جدا ہے۔ مسلمان اپنے مذہب کی وجہ سے بالکل منفرد اور جداگانہ پہچان رکھتے ہیں مسلمانوں کے ایک مکمل قوم کا تصور حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور سیّد احمد شہیدؒ نے بھی دیا تھا لیکن ''دو قومی نظریہ'' کی اصطلاح سب سے پہلے سرسیّد نے استعمال کی۔ اس نظریہ نے

مسلمانوں میں نیا شعور ابھرا اور وہ اپنے لیے جداگانہ راہیں تلاش کرنے لگے حتیٰ کہ 1940ء میں قرارداد پاکستان کے ذریعے اپنے لیے علیحدہ آزاد مملکت کا مطالبہ پیش کر دیا۔

ix- لوکل کونسلیں

مقامی خود اختیاری گورنمنٹ کے نام سے لوکل کونسلوں کا ایک نظام انگریز حکومت نے 1883ء میں متعارف کرایا۔ بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات ہوئے تو نتائج مسلمانوں کے حوالے سے بڑے حوصلہ شکن تھے۔ ہندو اپنی تعداد کی وجہ سے کونسلوں پر چھا گئے۔ مسلمانوں کو اُن کی آبادی کے تناسب کے مطابق نشستیں حاصل نہ ہو سکیں تو سر سیّد نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام کونسلوں میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا حق تسلیم کرتے ہوئے نشستیں مخصوص کی جائیں اور ان پر مسلمانوں کو نامزد کیا جائے۔ حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے مسلم قوم کے لیے ہر کونسل میں علیحدہ نشستیں مخصوص کر دیں۔

x- پارلیمانی نظام کا کانگرسی مطالبہ

انڈین نیشنل کانگرس نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ برصغیر میں بھی برطانوی طرز کا پارلیمانی نظام رائج کیا جائے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں تشکیل دی جائیں۔ بظاہر یہ مطالبہ جمہوریت کی طرف جانے والا ایک خوبصورت قدم لگ رہا تھا لیکن سر سیّد نے ہندو عزائم کو بھانپ کر اس مطالبہ کی مخالفت شروع کر دی۔ آپ نے کہا کہ برصغیر ایک ملک نہیں اور نہ یہاں ایک قوم بستی ہے۔ برطانوی پارلیمانی طرز کا نظام برصغیر میں رائج کیا گیا تو یہاں اکثریت کی اجارہ داری اور آمریت قائم ہو جائے گی جو مسلمانوں کو غلام بنا دے گی۔ سر سیّد کا مدلل نقطہ نظر سمجھ لیا گیا اور حکومت ہندوستان میں پارلیمانی نظام متعارف کرانے سے باز رہی۔

xi- محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن

ہندو مسلم اختلافات کی وجہ سے سیاسی مسائل جنم لے رہے تھے۔ مقامی کونسلوں میں مسلم نمائندگی، مقابلے کا امتحان، پارلیمانی نظام کا مطالبہ اور اردو کو ختم کر کے ہندی کو لانے کی کوششوں کی وجہ سے سر سیّد کو ایک مسلم سیاسی تنظیم کے وجود کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھوں نے "محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن" بنائی۔ یوں تو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بھی سیاسی ضرورتوں کے لیے استعمال ہو رہی تھی لیکن پھر بھی ایک کل وقتی سیاسی انجمن کا قیام لازم سمجھا گیا۔ ایسوسی ایشن مسلمانوں کی جداگانہ قومی حیثیت منوانے کے لیے کوشاں رہی۔

xii- قانون ساز اسمبلی میں نمائندگی

سر سیّد کی تجویز پر برصغیر کی قانون ساز اسمبلی میں مقامی باشندوں کو بھی نشستیں دی گئیں تاکہ حکومت اور عوام کے درمیان رابطے موجود رہیں اور عوامی مسائل سے حکومت کو آگاہ کیا جاتا رہے۔ حکومت نے اسمبلی میں مختلف قوموں کے نمائندے نامزد کر دیے۔ خود سر سیّد 1878ء سے 1882ء تک قانون ساز اسمبلی کے ممبر رہے۔ اسمبلی کے اندر اور باہر سر سیّد اپنا کردار نبھاتے رہے۔ آپ نے البرٹ بل کی بھی مخالفت کی جس کی رو سے کسی یورپین کے خلاف مقدمات کی سماعت کا اختیار مقامی ججوں کو دینے سے انکار کیا گیا۔ سر سیّد کی مخالفت کی وجہ سے البرٹ بل کو حکومت نے ختم کر دیا۔

xiii- مقابلے کا امتحان

کانگرس اور ہندو قوم نے حکومت سے مطالبہ شروع کر دیا کہ مقامی باشندوں کو انڈین بیوروکریسی میں شامل کیا جائے اور اس کے

لیے مقابلے کا امتحان منعقد ہو۔ بظاہر یہ بڑی خوبصورت بات تھی اور سارے برصغیر کو اس مطالبہ کا ساتھ دینا چاہیے تھا لیکن سرسیّد کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا کہ یہ اقدام مسلمانوں کے لیے ضرررساں ہوگا۔ ہندو زیادہ پڑھے لکھے تھے اور مقابلے کے امتحان میں انھیں اُن کی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ نشستیں ملنے کی توقع تھی۔ انھوں نے مطالبے کے مضمرات کو دیکھتے ہوئے اس کی شدت سے مخالفت کی کیونکہ مسلم نوجوانوں کو اُن کا متناسب حصہ ملنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ سرسیّد نے تناسب کے مطابق مسلمانوں کے لیے ملازمتوں میں کوٹہ مقرر کرنے کا مطالبہ کر دیا۔

xiv- سرسیّد کی خدمات کا جائزہ

سرسیّد نے سیاسی، مذہبی، معاشی، معاشرتی، ادبی اور تعلیمی میدانوں میں مسلمانوں کے حقوق کا بڑی ہی کامیابی سے دفاع کیا۔ آپ کے بارے میں مولوی عبدالحق نے لکھا ہے۔

> ''حق یہ کہ قومیت کا خیال بھی اُسی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اگر اس کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قصرِ پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اسی مردِ پیر نے رکھی تھی۔''

آل انڈیا مسلم لیگ 1906ء (All India Mulim League 1906)

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام 1906ء میں ڈھاکہ میں عمل لایا گیا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوا۔ اجلاس کے اختتام پر نواب سلیم اللہ خاں (نواب آف ڈھاکہ) نے حاضرین سے خطاب کیا اور نواب وقار الملک کی صدارت میں خصوصی اجلاس کا اہتمام کیا گیا۔ نواب سلیم اللہ خاں نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے تجویز پیش کی مسلمانوں کے لیے ایک مستقل سیاسی جماعت تشکیل دینی چاہیے۔ اجلاس میں موجود تمام شرکا نے متفقہ طور پر تجویز کو قبول کر لیا اور آل انڈیا مسلم لیگ قائم کر دی گئی۔ اس اجلاس میں نواب وقار الملک، نواب سلیم اللہ خاں، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں، مولانا ظفر علی خاں، نواب سمیع اللہ خاں اور جسٹس شاہ دین نے بھی شرکت کی۔

سرسیّد نے مسلمانوں کو سیاست سے دور رہنے کی نصیحت کی تھی۔ اس پر انیسویں صدی میں پوری طرح عمل کیا گیا لیکن بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ایسے حالات وقوع پذیر ہوئے کہ مسلمانوں کو اپنی علیحدہ سیاسی جماعت بنانے کا تاریخی فیصلہ کرنا پڑا۔

مسلم لیگ کے قیام کا پس منظر

درج ذیل عوامل آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کا باعث بنے۔

i- انڈین نیشنل کانگرس

1885ء میں انڈین نیشنل کانگرس قائم ہو چکی تھی اور اس پر بیسویں صدی کے آغاز میں انتہا پسند ہندوؤں کا غلبہ ہو چکا تھا۔ کانگرس ہندو فرقہ پرستوں کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی اور اس کی کوشش تھی کہ پورے ملک میں اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے۔ مسلم لیڈروں نے کانگرس کے اثرات کا جائزہ لیا اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کا فیصلہ کیا۔

ii- متعصب ہندو تحریکیں

انیسویں صدی کے آخر میں ہندوؤں میں کئی انتہا پسند اور متعصب تحریکیں آریہ سماج اور ہندو مہا سبھا وغیرہ پیدا ہوئیں۔ یہ سب رام راج کے قیام کا خواب دیکھ رہی تھیں اور انھوں نے مسلم مخالف پالیسیاں اختیار کر لی تھیں۔ ان کی سرگرمیوں کا مقابلہ کرنا بھی لازمی تھا۔

iii- اردو ہندی تنازعہ

اُردو کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ دلانے کی ہندوؤں کی کوششیں مسلمانوں کو غور و فکر کرنے پر مجبور کرنے لگیں۔ انھوں نے اپنی زبان، ثقافت اور تہذیب کے دفاع کے علاوہ سیاسی میدان میں بھی اپنے حقوق کا دفاع ضروری سمجھتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ بنانے کا فیصلہ کیا۔ ہندوؤں کی تنظیمیں ہندی کے حق میں اپنا پورا زور صرف کر رہی تھیں۔ دیوناگری رسم الخط اختیار کر لیا جاتا تو مسلمانوں کے ثقافتی ورثہ اور معاشی و معاشرتی حیثیت کو بہت نقصان پہنچتا۔ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی جماعت بنانے کی سوچ کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

iv- تقسیم بنگال

انگریز حکومت نے 1905ء میں بنگال کے وسیع و عریض صوبے کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ مقصد انتظامی اصلاح تھا لیکن ہندوؤں نے اسے ہندو دشمنی سے تعبیر کیا۔ یہ اتفاق تھا کہ تقسیمِ بنگال کے بعد نئے صوبے مشرقی بنگال میں مسلمانوں کو بہت فوائد حاصل ہوئے۔ مشرقی صوبے میں مسلمان اکثریت میں تھے۔ انھیں ہر شعبے میں ترقی کے امکانات نظر آئے۔ ڈھاکہ میں یونیورسٹی، ہائی کورٹ، بورڈ آف ریونیو اور دیگر حکومتی ادارے بنا دیے گئے جس سے مسلمانوں کو تعلیمی، عدالتی، انتظامی اور معاشی فوائد حاصل ہوئے۔ ہندو تاجر، ہندو وکلا اور ہندو زمیندار تقسیم بنگال کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ ہندو ردِعمل سے مسلمانوں کو سیاسی طور پر منظم ہونے کا پیغام ملا اور آل انڈیا مسلم لیگ تخلیق کی گئی۔

v- ہندو قیادت

بیسویں صدی میں ہندوؤں کی قیادت متوازن اور روشن خیال افراد کے ہاتھوں سے نکل کر مسلم دشمن، فرقہ پرست اور متعصب شخصیتوں کے ہاتھ میں آ گئی جن میں مدن موہن مالویہ، بال گنگا دھر تلک اور سریندر ناتھ بینر جی وغیرہ شامل تھے جو ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتے تھے۔ ان کی سرگرمیوں کے مقابلے کے لیے مسلمانوں نے ایک مرکزی سیاسی جماعت بنانے کی تجویز منظور کی۔

vi- شملہ وفد

سیکرٹری برائے امور ہند لارڈ مارلے نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ برصغیر میں جلد سیاسی اصلاحات متعارف کرائی جائیں گی اور سیاسی اداروں میں مقامی باشندوں کو نمائندگی دی جائے گی۔ مسلمانوں نے اپنے لیے متناسب نمائندگی کے حصول کی خاطر لارڈ منٹو، وائسرائے ہند سے ایک وفد کی صورت میں جا کر 1906ء میں ملاقات کی۔ شملہ وفد نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابی طریقے کا مطالبہ کیا۔ لارڈ منٹو کا جواب خاصا حوصلہ افزا تھا۔ اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے مسلمانوں نے اپنی مستقل سیاسی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور آل انڈیا مسلم لیگ کو وجود ملا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے مقاصد

اجلاس میں نواب وقار الملک نے اپنا صدارتی خطبہ پڑھا۔ مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد پیش ہوئی جسے منظور کر لیا گیا۔ نواب سلیم اللہ خاں کی قرارداد میں جماعت کے اغراض و مقاصد بھی بیان کیے گئے۔

i- مسلمانوں اور انگریز حکومت کے درمیان مفاہمت کی فضا پیدا کرنا اور مسلمانوں میں حکومت کے لیے وفاداری کے جذبات کو فروغ دینا۔

ii- ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کرنا اور ان کے مطالبات کو حکومت کے سامنے پیش کرنا۔

iii- مندرجہ بالا مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر مسلمان اور دوسری اقوام کے درمیان مفاہمت پیدا کرنا۔

مسلم لیگ کی تنظیم

☆ 60 افراد پر مبنی ایک ورکنگ کمیٹی تشکیل دی گئی۔
☆ سر آغا خاں کو آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا۔
☆ سیّد حسین بلگرامی سیکرٹری کے عہدے کے لیے چنے گئے۔
☆ محسن الملک اور وقار الملک جائنٹ سیکرٹری بنائے گئے۔
☆ مسلم لیگ کی ایک برانچ لندن میں بھی قائم کی گئی۔ اس کا سربراہ سیّد امیر علی کو بنایا گیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ

☆ جداگانہ انتخابی طریقہ 1909ء کے ایکٹ میں شامل کروا کے ایک عظیم کامیابی حاصل کی۔
☆ مختلف صوبوں میں ہائی کورٹوں کے ججوں کے طور پر مسلمانوں کی تعیناتی۔
☆ وزیر امور ہند کی کونسل میں ایک مسلمان شامل کروایا گیا جس کا نام سیّد حسین بلگرامی تھا۔
☆ اوقاف ایکٹ کو حتمی شکل دلوائی گئی۔

میثاق لکھنؤ 1916ء (Luckhnow Pact 1916)

آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگرس کے مابین 1916ء میں ایک معاہدہ لکھنؤ طے پایا۔ یہ معاہدہ دو جماعتوں اور دو قوموں کے درمیان تھا جس کی بہت زیادہ سیاسی اہمیت تسلیم کی گئی۔ معاہدہ لکھنؤ قائداعظمؒ کی فراست اور سیاست کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔

پس منظر

☆ 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی اور اس کی کوششوں سے 1909ء کی منٹو مارلے اصلاحات میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق دے دیا گیا۔
☆ 1911ء میں تقسیم بنگال کو انگریز حکومت نے ختم کر کے مشرقی اور مغربی بنگال کو دوبارہ ایک صوبے میں مدغم کر دیا جس سے مسلمانوں کی بہت زیادہ دل شکنی ہوئی۔
☆ کانپور کی مسجد کو منہدم کر دیا گیا جس کے خلاف مسلمانوں نے زبردست مظاہرے کیے اور غم و غصے کا اظہار کیا گیا۔

☆ طرابلس (موجودہ لیبیا) پر اٹلی نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔
☆ بلقان ریاستوں میں ترکی کے خلاف بغاوتیں ہوئیں۔ انگریزوں نے باغیوں کا ساتھ دیا تو برصغیر کے مسلمانوں کو بہت دکھ پہنچا۔
☆ 1913ء میں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کی تو اُن کے زیرِ اثر آل انڈیا مسلم لیگ کے منشور میں انقلابی تبدیلیاں لائی گئیں۔ قائداعظمؒ نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ہندوؤں میں بعض لیڈروں نے اُن کا بھرپور ساتھ دیا۔ گوکھلے اور ایس پی سنہا ان میں نمایاں تھے۔
☆ حکومت کے خلاف مسلمانوں کے رویے کو مولانا محمد علی جوہر کے اخبارات ''کامریڈ'' اور ''ہمدرد''، مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار ''الہلال'' اور مولانا ظفر علی خاں کے اخبار ''زمیندار'' نے بہت حد تک تبدیل کر دیا۔
☆ 1911ء میں الٰہ آباد کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں ہندو مسلم یکجہتی کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ دونوں جماعتوں کے بڑے بڑے لیڈر کانفرنس کے شرکاء میں شامل تھے۔ آغا خاں، قائداعظمؒ، مولانا محمد علی جوہر، وقار الملک اور حکیم اجمل خاں نے مسلمانوں کی جبکہ گوکھلے، سریندر ناتھ بینر جی، ایس پی سنہا اور موتی لال نہرو نے ہندوؤں کی نمائندگی کی۔ کانفرنس میں دونوں جماعتوں کو باہم تعاون پر آمادہ کرنے پر زور دیا گیا۔
☆ 1915ء میں دونوں سیاسی جماعتوں کے اجلاس بیک وقت بمبئی (ممبئی) میں بلائے گئے۔ قائداعظمؒ کی کوششوں سے دونوں جماعتوں کے لیڈروں نے ہندو مسلم اتحاد اور مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے مستقبل کے دستور کے لیے متفقہ خدوخال اپنانے کی بات کی اور دونوں جماعتوں کے لیڈروں نے آئندہ ہونے والے اجلاس سے پہلے کوئی فارمولا اخذ کرنے کے لیے کام شروع کرنے کا عزم کیا۔

اجلاس لکھنؤ

1916ء میں دونوں جماعتوں کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں طلب کیے گئے۔ مسلم لیگ کا اجلاس قیصری باغ میں منعقد ہوا۔ قائداعظمؒ نے صدارت کے فرائض انجام دیے۔ کانگرس کے اجلاس کے صدر موجمدار تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے خطبوں میں ہندو مسلم اختلافات کو ختم کرنے اور دستور کی تشکیل کے حوالے سے بنیادی نکات پر متفق ہونے کی حمایت کی۔ اجلاسوں کے دوران انڈین نیشنل کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی ایک مشترکہ کمیٹی ترتیب دی گئی۔ کمیٹی نے ایک مشترکہ فارمولا منظور کر لیا۔ فارمولے کی توثیق دونوں جماعتوں کی ورکنگ کمیٹیوں نے کر دی۔ اسی فارمولے کے مطابق میثاق لکھنؤ کی شرائط طے پائیں۔

بنیادی نکات

-1 مرکزی اسمبلی

مرکزی اسمبلی کے کل ارکان 150 ہوں گے۔ 4/5 کا انتخاب کیا جائے گا اور 1/5 کو حکومت نامزد کرے گی۔ مسلمان ارکان کی تعداد 1/3 ہوگی۔ اسمبلی کی معیاد 5 سال ہوگی۔

-2 صوبائی اسمبلیاں

ہر صوبائی اسمبلی کے کل ارکان 4/5 منتخب کیے جائیں گے اور 1/5 نامزد ہوں گے۔ ہر اسمبلی میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ نشستیں رکھی جائیں گی۔ صوبائی اسمبلیوں میں مسلم نشستیں یوں متعین ہوں گی۔ پنجاب 50 فیصد، بنگال 40 فیصد، یوپی 30 فیصد، مدراس

15 فیصد، بمبئی (ممبئی) 33 فیصد، سی پی 15 فیصد اور بہار 25 فیصد۔

3- جداگانہ انتخابات

مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات جداگانہ بنیادوں پر ہوں گے۔ مسلمان ووٹر صرف مسلمان نشستوں کے لیے ووٹ دیں گے اور ان نشستوں پر مسلمان ہی امیدوار بن سکیں گے۔ 1909ء کی اصلاحات میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخابات کا حق ملا تھا۔ کانگرس نے اس کی توثیق کر دی۔

4- اضافی نشستوں (Weightage) کا اصول

اس اصول کے تحت اقلیتوں کو مؤثر نمائندگی دینے کے لیے انھیں ان کی تعداد سے زیادہ نمائندگی دی گئی مثلاً پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً 55 فی صد تھی لیکن انھیں بالترتیب 50 اور 40 فیصد نمائندگی دی گئی تاکہ غیر مسلم اقلیتوں کو زیادہ نمائندگی دی جائے جبکہ دوسرے صوبوں میں مسلمانوں کو ان کی تعداد کے تناسب سے زیادہ نشستیں ملیں۔

5- حق استرداد (ویٹو اختیار)

فیصلہ ہوا کہ اگر کسی مسودہ قانون کو کسی فرقہ کے نمائندوں کا 3/4 نامنظور کریں گے تو ایسا مسودہ ایوان میں پیش نہیں کیا جائے گا۔ یوں اقلیتوں کو اپنے حقوق کا تحفظ مل گیا۔

6- قانون ساز اسمبلیوں کے اختیارات

مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے اختیارات میں اضافے کا فیصلہ کیا گیا۔ انہیں مالیات پر بھی کنٹرول ہو گیا۔ ارکان کو ضمنی سوالات پوچھنے کی اجازت دینے کی تجویز منظور کی گئی۔ یہ بھی کہا گیا کہ صوبائی اسمبلی انتظامی معاملات کے بارے میں قرارداد منظور کر سکے گی اور انتظامیہ کا فرض ہوگا کہ قرارداد پر عمل درآمد کرے۔ اگر گورنر قرارداد کو ویٹو کر دے اور اسمبلی ایک سال کے بعد دوبارہ اُس قرارداد کو منظور کر لے تو انتظامیہ بہر صورت قرارداد پر عمل پیرا ہوگی۔

7- مرکزی انتظامیہ

مرکز میں انتظامی سربراہ گورنر جنرل ہوگا جسے برطانوی حکمران مقرر کرے گا۔ اُسے ایک انتظامی کونسل کا تعاون حاصل ہوگا جس کے آدھے ارکان کا تعلق برصغیر سے ہوگا۔

8- صوبائی انتظامیہ

ہر صوبے میں برطانوی تاج کی طرف سے صوبائی گورنر انتظامی مشینری کا سربراہ ہوگا اور تمام کاموں کی نگرانی کرے گا۔ اُس کی مدد کے لیے ایک انتظامی کونسل تشکیل پائے گی جس کے آدھے ارکان کا تعلق متعلقہ صوبے سے ہوگا۔ کونسل کی معیاد پانچ سال ہوگی اور اسے ہندوستانی ارکان صوبائی اسمبلی کے ارکان کے ووٹوں سے چنیں گے۔

میثاق لکھنؤ پر تنقید

برصغیر کے معتدل رویہ کے مالک تمام سیاستدانوں نے معاہدہ لکھنؤ کو تسلیم کیا اور اس کی تعریف کی۔ معاہدے کو ہندو مسلم اتحاد کی معراج کہا گیا البتہ فرقہ پرست ہندو لیڈروں نے معاہدے پر کڑی تنقید کی۔ ان میں لالہ لاجپت رائے، سوامی شردھانند اور مدن موہن مالویہ

سرفہرست تھے۔

پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت کو اقلیت میں بدل دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ اور چوہدری خلیق الزمان نے اس فیصلے کو مسلمانوں کے مفادات کے منافی قرار دیا۔ مولانا ظفر علی خاں نے بھی معاہدے کے خلاف رائے کا اظہار کیا۔ بنگالی مسلم راہنماؤں نے بھی معاہدے کی اس شق کو تنقید کا نشانہ بنایا جس کی رو سے بنگالی مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے کم نشستیں دی گئی تھیں۔

معاہدہ لکھنؤ کی اہمیت

1۔ معاہدہ لکھنؤ قائداعظمؒ کی دُوراندیشی، سیاسی بصیرت اور فہم وفراست کا عمدہ نمونہ قرار دیا جاتا ہے۔ گھوکھلے اور سروجنی نائیڈو نے انھیں ''ہندو مسلم اتحاد کا سفیر'' کہا۔ قائداعظمؒ مسلمانوں کے حق میں بہت سے مفید فیصلے کروانے میں کامیاب ہوگئے۔ ہر قوم کو 1932ء میں آبادی کے تناسب کے مطابق نشستیں دے دی گئیں۔ آج معاہدہ کو درحقیقت مسلمانوں کی کامیابی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

2۔ معاہدہ کی رو سے انڈین نیشنل کانگرس نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ سچائی بھی کھل کر سامنے آگئی کہ انڈین نیشنل کانگرس صرف ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے۔

3۔ جداگانہ انتخابی طریقہ کو مان کر انڈین نیشنل کانگرس نے مسلمانوں کو ایک مکمل اور علیحدہ قوم تسلیم کرلیا اور یہ امر 1947ء میں قیام پاکستان کی بنیاد بن گیا۔

4۔ مسلم لیگ ایک عظیم سیاسی قوت بن کر ابھری اور آنے والے ادوار میں اُس نے بہت بڑا کردار ادا کرتے ہوئے دنیا کے نقشے پر ایک نئے ملک کو وجود بخشا۔

تحریک خلافت 1919ء (Khilafat Movement 1919)

پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے جرمنی اور آسٹریا کا ساتھ دیتے ہوئے انگلستان، فرانس، روس اور امریکہ کے خلاف حصہ لیا۔ اُن دنوں ترکی میں سربراہ مملکت کو خلیفہ کہا جاتا تھا۔ خلافت کا ادارہ بڑا مقدس اور اہم سمجھا جاتا تھا اور خلیفہ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا جانشین مانا جاتا تھا۔ جنگ میں ترکی کی شکست کے امکانات پیدا ہوئے تو برصغیر کے مسلمانوں میں مایوسی پھیل گئی۔ انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ ترکی کی خلافت کو ختم کر دیا جائے گا۔ خلافت سے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی ایک عظیم تحریک کو جنم دینے کا باعث بنی۔ مسلمان بڑے بے چین تھے۔ حکومت برطانیہ نے ابتدا میں یقین دہانی کرائی کہ ترکوں کو اُن کے مرکز سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ترکی سے اُس کے علاقے چھینے جائیں گے۔ برطانیہ اپنے وعدوں پر قائم نہ رہا اور جنگ میں برتری حاصل کرنے کے بعد ترکی اور ترکوں کو تباہ کرنے کے درپے ہوا۔ برصغیر میں مسلمان بھڑک اٹھے اور انھوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے 1919ء میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کردیا۔

i۔ مجلس خدامِ کعبہ

پورے برصغیر میں عوام وخواص منظم ہونا شروع ہوئے۔ مذہبی راہنماؤں نے مجلس خدام کعبہ کے نام سے ایک تنظیم بنائی۔ قیادت کے فرائض مولانا شوکت علی، مشیر حسین قدوائی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا سعید احمد نے ادا کیے۔ ایک بڑی تحریک ریشمی رومال کے نام سے شروع کی گئی جس میں مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا اور مولانا عبیداللہ سندھی نے نمایاں حصہ لیا۔ انگریز حکومت

نے پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا محمود الحسن کو گرفتار کر کے بحیرہ روم کے ایک جزیرے مالٹا میں قید کر دیا گیا۔

ii- خلافت کمیٹی

مجلس خدام کعبہ نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی تھیں کہ علی برادران نے ایک اور تنظیم خلافت کمیٹی کے نام سے تشکیل دے دی۔ اس کمیٹی میں مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالباری، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں کو خصوصی طور پر شریک کیا گیا۔ خلافت کمیٹی نے پورے برصغیر میں تحریک شروع کی۔ جلسے اور جلوس نکالے گئے۔ ترکوں کی مدد کے لیے قراردادیں منظور کی گئیں۔ خلافت کمیٹی کے تحت تمام شہروں میں چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں بنادی گئیں اور احتجاج ملک گیر صورت اختیار کر گیا۔ تحریک خلافت رفتہ رفتہ زور پکڑتی گئی اور ملک بھر میں تمام دیگر سرگرمیوں پر چھا گئی۔ مسلمانوں نے باقی تمام امور بالائے طاق رکھتے ہوئے خلافت ترکی کے تحفظ کے لیے اپنی تمام تر توتیں استعمال کرنا شروع کر دیں۔ تحریک دن بدن پھیلتی گئی۔ دیو بند اور ندوۃ العلما سے کارکنوں کے جلوس نکلے اور خلافت کے حق میں جاری تحریک کو زیادہ موثر بنا دیا۔ خلافت کمیٹی کی روحِ رواں علی برادران تھے۔

تحریک کے مقاصد

1۔ ترکی میں خلافت کا ادارہ قائم رہے اور خلیفہ کی حیثیت کو برقرار رکھا جائے۔

2۔ حجاز مقدس میں غیر مسلم افواج کے داخلے کی مخالفت کی تاکہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ سمیت تمام مقامات مقدسہ کا احترام قائم رہے۔

3۔ ترکی سے اس کے علاقے نہ چھینے جائیں۔ ترکی کی جغرافیائی حدود میں کوئی ردوبدل نہ کیا جائے اور جنگ عظیم اول سے پہلے والی پوزیشن قائم کر دی جائے۔

iii- تحریک خلافت اور گاندھی

اِدھر تحریک خلافت زور پکڑ رہی تھی اُدھر گاندھی کی اپنی تحریکیں بھی جاری تھیں۔ گاندھی نے تحریک ترک موالات، سول نافرمانی کی تحریک اور تحریک عدم تعاون کے ذریعے برصغیر میں انگریز حکومت کو کمزور کرنے کی پالیسی اختیار کی ہوئی تھی۔ تحریک خلافت کو عروج حاصل ہوا تو گاندھی اپنی سیاسی جماعت یعنی انڈین نیشنل کانگرس سمیت مسلمانوں کے کندھوں سے کندھا ملا کر جدوجہد کرنے لگا۔ گاندھی کو اپنی تحریکوں کی کامیابی کے لیے نوجوان مسلمانوں کی ضرورت تھی۔ تحریک خلافت کی حمایت کر کے اُسے پرجوش مسلمانوں کی مدد حاصل ہوگئی اور اُس کی تحریکوں میں بھی جوش وخروش پیدا ہوگیا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ تعاون کی پالیسی اختیار کی۔ گاندھی کی ہمدردی سے متاثر ہو کر مسلمان اُسے تحریک خلافت کے جلسوں میں لے آئے۔ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے دل خوش کرنے والے مناظر دکھائی دیے۔ تحریکِ خلافت کی کامیابی کے لیے درج ذیل اقدامات اٹھانے کا فیصلہ کیا گیا۔

☆ اعزازات والقابات واپس کر دیے جائیں۔

☆ مقامی کونسلوں سے مسلمان مستعفی ہو جائیں۔

☆ مسلم طلبہ وطالبات تعلیمی اداروں کو چھوڑ کر تحریکوں میں شامل ہو جائیں۔

☆ سرکاری ملازمتوں سے استعفے دیے جائیں۔

ان اقدامات کے بعد علما نے انگریز فوج میں خدمات انجام دینے کے خلاف فتوے جاری کیے اور مسلم تعلیمی اداروں نے حکومتی امداد لینے سے انکار کر دیا۔

تحریک خلافت کے سرکردہ رہنماؤں نے مسلمانوں کو آمادہ کیا کہ وہ ہندوستان یعنی دارالحرب کو چھوڑ کر دارالامن یعنی افغانستان ہجرت کر جائیں۔ مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں ہندوؤں کو بیچ دیں اور خود ہجرت کی غرض سے کابل کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہزاروں خاندان جب سرحد پر پہنچے تو افغان حکومت نے انھیں اپنے ہاں پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ وہ مایوس واپس پلٹے۔ گاندھی کی دوغلی پالیسیوں کی وجہ سے مسلمان معاشی طور پر بری طرح تباہ ہوئے۔

وفد خلافت

1919ء میں علی برادران نے ایک وفد تشکیل دیا تاکہ لندن جا کر ارباب اختیار سے ملاقات کرے اور برصغیر کے مسلمانوں کے جذبوں اور مطالبات کو پیش کرے۔ وفد میں مشیر حسین قدوائی، شعیب قریشی اور سید سلیمان ندوی سمیت سات افراد شامل تھے۔ مولانا محمد علی جوہر وفد کے قائد بنائے گئے۔ لندن میں وزیر اعظم لائیڈ جارج سے طویل مذاکرات ہوئے۔ وزیر اعظم نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا کہ جرمنی اور آسٹریا کی طرح ترکی بھی انصاف سے نہیں بچ سکے گا اور انصاف بڑا بھیانک ہوگا۔ وفد کے ارکان بے حد مایوس ہوئے۔ انھوں نے میڈیا کو سخت بیانات دیے نیز وزیر اعظم کی بدعہدی کو نشانہ بنایا۔ اس سے پہلے وزیر اعظم وعدہ کر چکا تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی وفاداریوں کو دیکھتے ہوئے ترکی سے نرم سلوک کیا جائے گا۔ برطانیہ مکر گیا اور اتحادی افواج ترکی کے شہروں میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئیں تو قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا۔

مسلم اخبارات

برصغیر سے الہلال، کامریڈ، ہمدرد اور زمیندار جیسے اخبار شائع ہو رہے تھے۔ مسلم صحافت نے انگریز حکومت کے خلاف سخت لہجہ اختیار کیا۔ لاہور کے پیسہ اخبار نے زبردست مہم چلائی۔ اخبارات کو بند کر دیا گیا اور پریس ضبط ہوگئے لیکن مسلمان صحافی کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی کرتے اور مسلم عوام کی راہ نمائی کرتے رہے۔

معاہدہ سیورے

اتحادیوں نے جنگ کے خاتمہ پر ترکی سے معاہدہ سیورے کیا جس کے مطابق ترکی پر بہت بھاری تاوان عائد کیا گیا۔ مختلف علاقوں پر اتحادیوں کا قبضہ ہوگیا۔ تمام عرب علاقوں پر ترکی کا کنٹرول نہ رہا۔ حجاز مقدس شریف آف مکہ کے حوالے کر دیا گیا۔ جس نے جنگ کے دوران برطانیہ کا ترکوں کے خلاف بھرپور ساتھ دیا تھا۔ اس دوران ترکی میں قوم پرست تحریک اٹھی۔ مصطفےٰ کمال پاشا اس تحریک کے لیڈر تھے۔ انھوں نے ترک فوجیوں کو نئے سرے سے منظم کیا اور آزادی کی جنگ جاری رکھنے کا عزم کیا۔

تحریک خلافت کی سرگرمیاں

علی برادران کی راہ نمائی میں تحریک خلافت میں نیا جوش و خروش پیدا ہوگیا اور سرگرمیوں میں زبردست اضافہ ہوگیا۔

☆ جلسے جلوس منظم کیے گئے۔

☆ راہ نماؤں اور عوام نے گرفتاریاں دیں۔ جیلیں بھر گئیں۔

☆ ترک افواج کی مدد کے لیے کثیر رقوم جمع کر کے بھیجی گئیں۔

☆ زخمی ترکوں کے علاج کے لیے ڈاکٹروں اور نرسوں کا ایک وفد ڈاکٹر انصاری کی قیادت میں ترتیب دیا گیا جو دوائیں لے کر ترک علاقوں میں خدمات انجام دینے پہنچ گیا۔ رضاکاروں کی کثیر تعداد ترکی میں جا کر کام کرنے لگی۔ انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا گیا۔

تحریک عدم تعاون اور دیگر تحریکوں نے زور پکڑا۔ حکومتی اداروں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ برصغیر کے طول وعرض میں تحریک پھیل گئی۔ ہر مسلم نوجوان کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا۔

بولی اماں محمد علی کی   جان بیٹا خلافت پہ دے دو

گاندھی اور دیگر ہندو راہنماؤں کو مسلمانوں نے اپنالیا۔ بدنام زمانہ مسلم دشمن سوامی شردھانند بھی تحریک میں مسلمانوں کے ہم رکاب رہا اور مسلمان اُسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر شاہی مسجد دہلی کے اندر لے گئے۔ مسلمانوں نے گاندھی کی تحریکوں کے لیے اپنا خون پیش کیا اور اُس کے مقاصد پورے کرنے میں ہر طرح تعاون کیا۔ گاندھی مسلمانوں کو مشورہ دیتا رہا کہ علی گڑھ سمیت مسلم اداروں کے لیے ملنے والی حکومتی گرانٹ کو مسترد کر دیں لیکن کتنا عجیب ہے کہ بنارس کی ہندو یونیورسٹی میں کوئی ہنگامہ نہ کرایا گیا اور نہ طلبہ کو بائیکاٹ کا درس دیا گیا۔ بنارس میں مدن موہن مالویہ حکومتی گرانٹ حاصل کرنے کے لیے پرنس آف ویلز کو بطور مہمان خصوصی بلا رہے تھے۔

مسلمانوں نے حکومت سے ملنے والے القابات، خطابات اور آنریری عہدے حکومت کو لوٹا دیے۔ علی برادران اور دوسرے بہت سے مسلم راہنما جیلوں میں بند کر دیے گئے لیکن تحریک کا زور جاری رہا۔

تحریک خلافت کا خاتمہ

تحریک خلافت جاری تھی کہ برصغیر کے اندر اور ترکی میں ایسے واقعات رونما ہوئے کہ تحریک اپنے انجام کی طرف بڑھنے لگی۔

i- موپلا تحریک

برصغیر کے جنوب میں مالا بار کے ساحل کے ساتھ ساتھ موپلا عربوں نے انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد شروع کر دی۔ انھوں نے اپنے علاقوں میں خلافت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ حکومت نے سختی سے موپلا تحریک کو کچلا۔ کم وبیش آٹھ ہزار موپلا شہید ہوئے۔ گاندھی اور کانگرسی قیادت نے موپلوں کے خلاف کارروائی کی مذمت نہ کی بلکہ حکومتی اقدام کو سراہا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں نئے سرے سے خلیج پیدا ہونے لگی۔

ii- سانحہ چوراچوری

چوراچوری ضلع گورکھ پور کا ایک قصبہ ہے۔ وہاں گاندھی کے ایما پر ایک بڑا جلوس نکلا اور تھانے کو آگ لگا دی گئی۔ 21 سپاہی زندہ جل کر مر گئے۔ گاندھی بہانے کے تلاش میں تھا۔ اُس نے اپنی تحریکوں کے فوری خاتمے کا اعلان کر دیا اور اس حوالے سے علی برادران اور دوسرے مسلمان راہ نماؤں کی رائے لینا بھی مناسب نہ سمجھا۔ دراصل جنگ عظیم اول ختم ہو چکی تھی اور گاندھی کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ حکومت کو بلیک میل کر کے اپنے مقاصد پورے کرنے کے قابل نہ تھا۔

iii- پرنس آف ویلز کی آمد

بنارس یونیورسٹی میں ہندوؤں نے پرنس آف ویلز کو بطور مہمان خصوصی آنے کی دعوت دی تھی۔ مسلمانوں نے پرنس کی آمد پر زبردست مظاہرے کیے لیکن ہندو اُسے بنارس یونیورسٹی کے فنکشن میں لے گئے تاکہ گرانٹ حاصل کر سکیں۔ ہندوؤں کی دوغلی پالیسی نے مسلمانوں کو بہت مایوس کیا اور دونوں قوموں کے درمیان اختلافات میں اضافہ ہونے لگا۔

iv- غازی مصطفےٰ کمال پاشا

جنگ عظیم اول تو ختم ہو چکی تھی لیکن اتحادیوں میں سے ایک ملک یونان، ترکی کو مزید تباہ کرنے کے درپے تھا۔ اس دوران ایک ترک جرنیل غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے بکھری ہوئی ترک قوتوں کو مجتمع کیا اور یونانیوں کو شکست دی۔ مصطفےٰ کمال پاشا نے آخری خلیفہ عبدالمجید کو اقتدار سے الگ کر کے حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ قوم پرست راہ نما اُس کے ہمراہ تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ترکی اپنے قدموں پر کھڑا ہونے لگا۔ روس اور برطانیہ میں ترکی پر قبضے کے لیے باہم رقابت موجود تھی۔ یہی رقابت ترکی کو بچا گئی۔ مصطفےٰ کمال پاشا کی حکومت نے ایک معاہدہ "لوزان" اتحادیوں کے ساتھ تحریر کیا۔ اس معاہدہ کی شرائط معاہدہ سیورے کے مقابلے میں ترکی کے لیے بہتر تھیں۔ ترکی میں خلافت ختم ہو گئی اور جمہوریت قائم ہوئی۔ ترکی عرب، شمالی افریقہ اور مشرقی یورپ کے علاقوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ حجاز مقدس پر شریف آف مکہ کا کنٹرول ہو گیا اور ترکی کا مسئلہ حل ہو گیا۔

نئے حالات کی روشنی میں برصغیر میں تحریک جاری رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اس لیے قائدین اور عوام رفتہ رفتہ خاموش ہو گئے۔ ایک لحاظ سے تحریک کے مقاصد پورے ہو گئے تھے مثلاً:

- i- خلافت کو ترکوں نے خود ختم کر دیا تھا۔
- ii- حجاز مقدس پر عربوں کا کنٹرول ہوا تو اس علاقے کے تقدس اور احترام کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔
- iii- ترکی بحیثیت ایک ملک موجود رہا تاہم حکومت ترکی نے ازخود بہت سے علاقوں پر اپنی حاکمیت ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

تحریک خلافت کے اثرات

1۔ مسلمانوں میں سیاسی شعور بڑھنے لگا۔

2۔ گاندھی اور کانگرس کی دوغلی پالیسی بے نقاب ہوئی تو مسلمانوں کو گاندھی کا صحیح چہرہ نظر آیا۔ انھیں پتا چل گیا کہ دونوں قوموں میں تعاون دیرپا ثابت نہیں ہو سکے گا۔ اب مسلمان زیادہ حقیقت پسندانہ پالیسیوں پر عمل کرنے لگے۔

3۔ تحریک کی وجہ سے مسلمانوں کو تعلیمی، معاشی اور معاشرتی شعبوں میں بڑا نقصان پہنچا۔ وہ ملازمتوں سے محروم ہوئے، تحریک ہجرت نے انھیں سخت حالات سے دوچار کیا اور اُن کی روزمرہ زندگی ہنگاموں کی وجہ سے بڑی طرح متاثر ہوئی۔

4۔ تحریکِ خلافت سے برصغیر کے مسلمانوں پر یہ واضح ہوا کہ جب تک اپنے ہاتھوں میں طاقت نہ ہو دوسروں کے بھروسے پر کبھی کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوتی۔

5۔ برطانوی حکومت کی جڑیں ہل گئیں۔

1935ء کا ایکٹ (Act of 1935)

برصغیر جنوبی ایشیا میں دستور کو 1935ء میں مرتب کر کے نافذ کر دیا گیا۔ 1935ء سے 1937ء تک اسی دستور کے مطابق سیاسی نظام چلایا جاتا رہا۔ تخلیق پاکستان کے بعد نئے ملک کے دستور کی تشکیل کا کام شروع ہوا تو عارضی طور پر چند ترامیم کر کے 1935ء کے ایکٹ کو ہی پاکستان میں رائج رکھا گیا۔

ایکٹ 1935ء کا پس منظر

برصغیر پر جنگ آزادی 1857ء کے بعد براہ راست تاج برطانیہ کا کنٹرول ہو گیا۔ حکومت برطانیہ نے یکے بعد دیگرے

1858ء، 1861ء اور 1892ء میں مختلف ایکٹ متعارف کرائے۔ 1909ء میں منٹو مارلے اصلاحات اور 1919ء میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کا نفاذ ہوا تو سیاسی نظام میں بتدریج تبدیلیاں آئیں۔ 1935ء میں بالآخر زیادہ جامع اور تفصیلی ایکٹ منظور کیا گیا۔ اس ایکٹ کی تیاری میں برصغیر کے سیاسی لیڈروں کے مشورے بھی شامل کیے گئے۔ مقامی لوگوں کے مشورے سے دستور بنانے کے لیے 1927ء میں سائمن کمیشن ہندوستان آیا اور آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی۔ 1928ء میں نہرو رپورٹ منظر عام پر آئی اور 1929ء میں قائداعظمؒ نے چودہ نکات پیش کیے۔ بعدازاں تین گول میز کانفرنسیں 1930ء، 1931ء اور 1932ء میں لندن میں بلائی گئیں۔ ان کانفرنسوں میں مختلف سیاسی جماعتوں کے راہ نماؤں نے شرکت کی۔ حکومت برطانیہ نے مختلف مذاکرات اور کانفرنسوں میں پیش کیے گئے خیالات کی روشنی میں خود ایک ایکٹ ترتیب دیا جسے 1935ء میں عملی شکل دے دی گئی۔

اہم خصوصیات

1۔ وفاقی طرزِ حکومت

ایکٹ نے برصغیر کے لیے وفاقی نظام دیا۔ وفاق میں صوبے اور ریاستیں شامل کی گئیں بعدازاں ریاستوں کے نوابوں اور راجاؤں نے وفاق میں شمولیت سے معذوری ظاہر کردی کیونکہ مرکز کو کافی اختیارات سونپے گئے تھے۔

2۔ اختیارات کی تقسیم

برصغیر کو وفاق بنایا گیا تو اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں تقسیم کردیے گئے۔ ایکٹ میں اختیارات کی تین فہرستیں شامل کی گئیں۔

(i) وفاقی امور کی فہرست *(ii)* صوبائی امور کی فہرست *(iii)* مشترکہ امور کی فہرست

وفاقی امور میں امورِ خارجہ، دفاع، کرنسی، ریلوے، تجارت، مذہبی معاملات اور قبائلی امور وغیرہ۔

صوبائی امور میں زراعت، صنعت، تعلیم، صحت، سماجی بہبود، جیلیں، پولیس اور ریونیو وغیرہ۔

مشترکہ فہرست میں شامل امور پر وفاق اور صوبوں یعنی دونوں کو اختیارات دیے گئے مگر وفاق کو اختیارات میں برتری حاصل تھی۔

3۔ دوعملی

دوعملی سے مراد صوبائی محکموں کو عوام کے منتخب نمائندوں اور گورنر کے نامزد نمائندوں میں تقسیم کرنا ہے۔ عوامی نمائندوں کو دیے جانے والے محکمے منتقلہ محکمے *(Transfer Subject)* اور نامزد نمائندوں کو دیے جانے والے محکمے غیر منتقلہ *(Reserved Subject)* کہلاتے تھے۔

دوعملی کا نظام 1919ء کے ایکٹ کی رو سے مرکزی اور صوبائی دونوں سطحوں پر متعارف کرایا گیا تھا۔ 1935ء کے ایکٹ کے تحت دوعملی کا نظام صوبائی سطح پر ختم کردیا گیا البتہ دوعملی وفاقی سطح پر قائم رکھی گئی بعض محکمے براہِ راست گورنر جنرل کی تحویل میں رہنے دیے گئے اور باقی محکمے منتخب وزرا کے حوالے کیے گئے وزرا اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے قانون ساز اسمبلی کو جواب دہ تھے۔

4۔ گورنر جنرل کے اختیارات

وفاقی حکومت کی سربراہی گورنر جنرل کو حاصل رہی جسے تاجِ برطانیہ کی طرف سے نامزد کیا جاتا تھا۔ گورنر جنرل کی مدد کے لیے

ایک انتظامی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ایک کابینہ بھی بنائی گئی جو مرکزی قانون ساز اسمبلی کی نگرانی میں کام کرتی تھی۔ انتظامی کونسل کے ارکان انگریز تھے جو اُن محکموں کا نظام چلاتے تھے جو ایکٹ کی رو سے گورنر جنرل کی صوابدید پر رکھے گئے تھے۔ دوعملی کا نظام بہت پیچیدہ تھا، گورنر جنرل کو جو اختیارات ملے، اُن کے حوالے سے وہ کسی کونسل، کابینہ یا مقننہ کو جواب دہ نہیں تھا۔

اختیارات درج ذیل تھے:

(i) وفاقی حکومت کی مالیاتی حیثیت کو محفوظ رکھنا۔

(ii) ریاستوں کے حکمرانوں کے تحفظ کا بندوبست کرنا۔

(iii) اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

(iv) سول ملازمتوں سے وابستہ افراد کا تحفظ کرنا۔

(v) برطانیہ کی برصغیر سے تجارت کو ترقی دینا اور انگریز تاجروں کو سہولت بہم پہنچانا۔

گورنر جنرل کو کابینہ میں ردوبدل کرنے، دستور کو معطل کرنے، قانون ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے اور اسے ملتوی کرنے اور آرڈیننس نافذ کرنے کے اختیارات حاصل تھے۔ گورنر جنرل مقننہ کے منظور کردہ کسی مسودہ کے حوالے سے حق استرداد رکھتا تھا۔

5۔ وزیر امور ہند

وزیر امور ہند کا عہدہ 1858ء کے ایکٹ سے موجود تھا۔ 1935ء کے ایکٹ میں اس عہدے کو برقرار رکھا گیا۔ البتہ اُس کے لیے کام کرنے والی انڈین کونسل کو ختم کر دیا گیا۔ وزیر برائے امور ہند کو کچھ مشیروں کی خدمات حاصل رہیں۔ ان مشیروں کی تنخواہ برطانوی خزانے سے ادا کرنے کا فیصلہ ہوا۔ آدھے سے زیادہ مشیر ایسے برطانوی شہری تھے جو کم از کم دس سال تک انڈین سول سروس میں خدمات انجام دے چکے تھے۔ مشیروں کے عہدے کی معیاد 5 سال تھی۔

6۔ وفاقی مقننہ

برصغیر کی مرکزی مقننہ دو ایوانی بنائی گئی۔ گورنر جنرل مقننہ کا سربراہ تھا۔

(i) کونسل آف سٹیٹ

اس کونسل کے کل ارکان 260 تھے۔ صوبوں سے 156 اور ریاستوں سے 104 ارکان لیے گئے۔ ہر رکن کی معیاد تین سال تھی۔ ہر سال ایک تہائی ارکان ریٹائر ہو جاتے تو نئے ایک تہائی منتخب کیے جاتے۔ صوبوں کے نمائندے چنے جاتے تھے اور ریاستوں کے نمائندے ریاستوں کے والی مقرر کرتے تھے۔ یاد رہے کہ ریاستوں کے والیوں نے وفاق میں شامل ہونے سے معذرت کر لی تھی اس لیے کونسل آف سٹیٹ میں صوبوں میں منتخب ہونے والے ارکان ہی شریک تھے۔

(ii) وفاقی اسمبلی

اس کے کل ارکان 375 تھے۔ ان میں ریاستوں سے 125 اور صوبوں سے 250 ارکان لیے جانے کا فیصلہ ہوا۔ ریاستوں کے نمائندے منتخب نہیں ہوتے تھے انھیں والیان نامزد کرتے تھے۔ صوبوں کے ارکان کو عوام کے ووٹوں سے چنا جاتا تھا۔ ریاستوں کے والیوں نے وفاقی اسمبلی میں بھی اپنے نمائندے نہ بھیجے۔ وفاقی اسمبلی کی معیاد پانچ سال رکھی گئی۔ گورنر جنرل اسمبلی کو منسوخ کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ دونوں ایوانوں کے منظور کردہ مسودات گورنر جنرل کی توثیق کے ساتھ قوانین بن جاتے تھے۔ وہ کسی مسودہ کو مسترد کرنے

کا بھی اختیار حاصل تھا۔

7۔ عدلیہ

فیڈرل کورٹ کے نام سے مرکزی عدلیہ بنائی گئی جو ایک چیف جسٹس اور چھے ججوں پر مشتمل تھی۔ یہ عدالت صوبوں میں قائم ہائی کورٹوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سنتی تھی۔ وفاقی عدلیہ کے فیصلوں کے خلاف برطانوی پریوی کونسل (Privy Council) کا دروازہ کھٹکھٹایا جا سکتا تھا۔ گورنر جنرل وفاقی عدلیہ سے قانونی مشورہ مانگ سکتا تھا البتہ مشورہ پر عمل کرنا اس کے لیے لازم نہیں تھا۔

8۔ نئے صوبے

سندھ اور اڑیسہ دو نئے صوبے بنائے گئے۔ اڑیسہ بہار سے جدا کیا گیا اور سندھ کو بمبئی (ممبئی) سے الگ کیا گیا۔ صوبہ سندھ کا مطالبہ مسلمان مسلسل کرتے آرہے تھے جو 1935ء کے ایکٹ کی رو سے مان لیا گیا۔

9۔ صوبائی نظم و نسق

(i) گورنر

صوبہ کا سربراہ گورنر تھا جسے گورنر جنرل نامزد کرتا تھا۔ گورنر وفاقی حکومت کا صوبے میں نمائندہ تھا۔ صوبے میں اسے وہی مقام حاصل تھا جو مرکز میں گورنر جنرل کو دیا گیا تھا۔ گورنر کو گورنر جنرل کی طرح بعض خصوصی اختیارات سونپے گئے تھے۔ گورنر کے لیے اپنے صوبے میں گورنر جنرل کے خصوصی اختیارات کے حوالے سے اُس سے مکمل تعاون کرنا لازم تھا۔ اقلیتوں کے تحفظ، سرکاری ملازموں کے حقوق کا تحفظ، آرڈیننس کا نفاذ اور صوبے میں امن و امان کا قیام گورنر کی اہم ذمہ داریاں تھیں۔ ہنگامی حالات میں اس کے اختیارات مزید بڑھ جاتے تھے۔

(ii) کابینہ

صوبائی کابینہ اُن وزرا پر مشتمل تھی جو صوبائی اسمبلی کے ارکان میں سے لیے جاتے تھے گورنر وزرا کو نامزد کرتا تھا۔ وہ پوری کابینہ یا جس وزیر کو چاہتا سبکدوش کر سکتا تھا۔ وزرا ایسے ارکان اسمبلی کو بنایا جاتا تھا جنھیں صوبائی اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کی حمایت حاصل ہوتی۔ وزرا اپنی کارکردگی کے بارے میں گورنر کے علاوہ صوبائی اسمبلی کے سامنے بھی جواب دہ تھے۔ وزیر اپنے عہدہ پر گورنر اور اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کی خوشنودی تک فائز رہ سکتا تھا۔

(iii) صوبائی قانون ساز اسمبلی

ہر صوبہ میں ایک قانون ساز اسمبلی بنائی گئی۔ بہار، یوپی، آسام، بنگال مدراس اور بمبئی (ممبئی) میں دو ایوانی اور پنجاب، سرحد، سندھ اور اڑیسہ میں ایک ایوانی مقننہ تھی۔ ایوان بالا کا نام "قانون ساز کونسل" اور ایوان زیریں کا نام "قانون ساز اسمبلی تھا۔ قانون ساز کونسل کے ارکان تین سال کے لیے منتخب ہوتے تھے۔ ہر سال ایک تہائی ریٹائر ہو جاتے اور اُن کی جگہ نئے ایک تہائی منتخب کر لیے جاتے۔ مختلف صوبوں میں دونوں ایوانوں کے ارکان کی تعداد مختلف تھی۔

10۔ جداگانہ انتخابات

مسلمانوں کے لیے مرکزی اسمبلی اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں جداگانہ نشستیں رکھی گئیں۔ ان نشستوں کے لیے انتخاب میں صرف مسلمان حصہ لیتے اور مسلمان ہی ووٹر کے فرائض ادا کرتے۔ کانگرس کی مخالفت کے باوجود جداگانہ انتخابی طریقہ جاری رکھنے کا

فیصلہ کیا گیا۔

11۔ صوبائی خودمختاری

صوبوں کو بڑی حد تک خودمختاری دی گئی۔ دوعملی ختم کردی گئی۔ تمام محکمے مقامی وزرا کی تحویل میں دیے گئے۔ صوبوں کا نظام چلانے کے لیے صوبائی انتظامیہ کافی بااختیار تھی۔ وزرا کی حیثیت میں اضافہ ہوا۔ قانون ساز اسمبلی کو انتظامیہ یعنی کابینہ کے ارکان سے سوال پوچھنے کا اختیار حاصل تھا اور وہ پارلیمانی انداز میں کابینہ پر کنٹرول کرتی تھی۔

تنقیدی جائزہ

1۔ قائداعظمؒ نے ایکٹ کے حوالے سے مایوسی کا اظہار کیا کیونکہ اقلیتوں کے لیے تحفظ کا آئینی بندوبست کرنے کی بجائے انھیں گورنر جنرل اور گورنروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

2۔ گاندھی، نہرو اور کانگرس کے دیگر راہ نماؤں نے ایکٹ کو ناپسند کیا۔ کہا گیا کہ اقلیتوں کی ناز برداریاں کرنے کے علاوہ ایکٹ میں اور کچھ نہیں ہے۔

3۔ پنڈت نہرو نے کہا کہ ''ایکٹ غلامی کا ایک چارٹر ہے۔''

4۔ مدن موہن مالویہ کا کہنا تھا ''1935ء کا ایکٹ بظاہر جمہوری لیکن اندر سے کھوکھلا ہے''

5۔ مرکز میں دوعملی کو جاری رکھا گیا اور صوبوں میں اسے ختم کردیا گیا۔ مرکز میں دوعملی کا جاری رہنا پیچیدگیوں کا باعث بنا۔ گورنر جنرل کو دوعملی نے بہت بااختیار بنا دیا۔

6۔ گورنر جنرل کو مرکز میں اور صوبوں میں گورنروں کو حق استرداد حاصل تھا۔ وہ مقننہ کے منظور کردہ کسی مسودے کو ویٹو کرسکتے تھے۔ یوں عوامی نمائندوں کو بے بس بنا دیا گیا۔

7۔ ریاستیں وفاق کے نظام میں شامل نہ ہوئیں اور انھوں نے مرکزی مقننہ میں ریاستی نمائندوں کو نامزد نہ کیا حالانکہ گول میز کانفرنسوں میں والیانِ ریاست نے وفاق میں پوری طرح شامل ہونے پر آمادگی کا واضح اظہار کیا تھا۔

قراردادِ پاکستان 1940ء (Pakistan Resolution 1940)

پاکستان کے عظیم تاریخی شہر لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس 1940ء میں اقبال پارک میں منعقد ہوا۔ ایک لاکھ سے زائد افراد موجود تھے۔ اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کی۔ بیگم محمد علی جوہر، آئی آئی چندریگر، مولانا ظفر علی خاں، چوہدری خلیق الزماں، قاضی محمد عیسیٰ، مولانا عبدالحامد بدایونی جیسی عظیم شخصیات بھی اجلاس میں موجود تھیں۔ اجلاس بہت اہمیت کا حامل تھا کیونکہ برصغیر کے مسلمان اپنے مستقبل کے حوالے سے ایک تاریخی فیصلہ کرنے والے تھے۔ اجلاس میں شیر بنگال مولوی فضل الحق نے قرارداد پیش کی۔ قرارداد کا پیش ہونا تھا کہ پورا پنڈال نعرہ تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا۔ قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کرلیا گیا۔ برصغیر کے مسلمان اپنے لیے تحفظات مانگتے رہے تھے۔ کبھی جداگانہ نشستیں مانگیں تو کبھی جداگانہ انتخابی طریقہ کا مطالبہ کیا۔ کوئی بھی قدم مسلمانوں کو سیاسی و قومی اعتبار سے مطمئن نہ کرسکا۔ بالآخر 23 مارچ 1940ء کو قرارداد لاہور نے منزل اور مقصد کی نشان دہی کردی۔ جداگانہ مملکت کا قیام مسلمانوں کا ایمان بن گیا اور صرف سات سالوں میں انھوں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا یعنی مملکت خداداد پاکستان وجود میں آگئی۔ قرارداد میں دو مسلم مملکتوں کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ 1946ء میں نئے سرے سے غور کیا گیا اور دہلی کے کنونشن میں

ایک اور قرارداد ایک اور بنگالی راہنما حسین شہید سہروردی نے پیش کی جس کی رو سے صرف ایک مملکت کا مطالبہ پیش ہوا جو بنگال، آسام، پنجاب، سرحد (خیبر پختونخوا)، سندھ، بلوچستان اور کشمیر پر مشتمل ہوگی۔

قرارداد کو مسلم لیگ نے قرارداد لاہور کا نام دیا لیکن ہندو اخبارات نے اس کے لیے "قرارداد پاکستان" کی اصطلاح طنزاً استعمال کی۔ مسلمانوں نے یہ اصطلاح زیادہ پسند کی اور قرارداد لاہور کو وہ خود بھی قرارداد پاکستان پکارنے لگے۔

بنیادی نکات

i- باہم متصل اکائیوں کی نئے خطوں کی صورت میں حد بندی کی جائے۔ شمال مغرب اور شمال مشرق میں مسلم اکثریت والے علاقوں میں آزاد مسلم مملکتیں قائم کی جائیں۔

ii- برصغیر کے لیے تقسیم کے علاوہ کسی دوسری سکیم کو منظور نہیں کیا جائے گا۔

iii- تقسیم ہو جاتی ہے تو ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلم اقلیت کے حقوق کے تحفظ کا مناسب بندوبست کیا جائے۔

قائداعظمؒ کی تقریر

اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے اپنے خطبے میں چند بنیادی حقائق کی طرف توجہ دلائی جو یہ ہیں:

☆ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں کیونکہ ان کے رسم و رواج، روایات، تہذیب و ثقافت اور سب سے بڑھ کر اُن کا مذہب جدا ہے۔ صدیوں سے ساتھ ساتھ رہنے کے باوجود ہندو اور مسلمان اپنی اپنی جداگانہ پہچان رکھتے ہیں۔

☆ اگر برصغیر متحدہ صورت میں آزاد ہوتا ہے تو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔

☆ مسلمان علیحدہ مملکت کا مطالبہ کر رہے ہیں تو یہ غیر تاریخی نہیں سمجھا جا سکتا۔ برطانیہ سے آئرلینڈ جدا ہوا، سپین اور پرتگال علیحدہ علیحدہ مملکتیں بنیں اور چیکوسلواکیہ کا وجود بھی تقسیم کا نتیجہ بنا۔

☆ برصغیر کا سیاسی مسئلہ قومی یا فرقہ وارانہ نہیں ہے۔ یہ بین الاقوامی مسئلہ ہے اور اسی تناظر میں اسے حل کرنا ضروری ہے۔

☆ برصغیر ایک برصغیر ہے ملک نہیں اور نہ ہی یہ ایک قوم کا وطن ہے۔ یہاں کئی قومیں رہ رہی ہیں اور اُن کے مفادات علیحدہ علیحدہ ہیں۔

مطالبہ پاکستان کا پس منظر

پاکستان کا مطالبہ برصغیر کے مسلمانوں نے بڑی سوچ و بچار کے بعد کیا۔ یہ کسی وقتی غصے یا جذباتی فیصلے کا نتیجہ نہیں تھا۔ مسلمان سال ہا سال سے کسی ایسے حل کی تلاش میں تھے کہ آزادی کے بعد وہ پرسکون اور محفوظ زندگی بسر کر سکیں۔ کئی شخصیتوں نے اس حوالے سے برصغیر کو تقسیم کرنے کی رائے پیش کی تھی۔ ان میں درج ذیل شخصیات بہت زیادہ اہمیت کی حامل تھیں۔

☆ انگریز مصنف بلنٹ
☆ انگریز مصنف جان برائٹ
☆ روسی مرد آہن جوزف سٹالن
☆ عبدالحلیم شرر
☆ سید جمال الدین افغانی
☆ ڈاکٹر عبدالجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری (خیری برادران)
☆ برطانوی صحافی فریزیر
☆ مولانا محمد علی جوہر
☆ لالہ لاجپت رائے (ہندو لیڈر)
☆ سی آر داس (ہندو لیڈر)
☆ علامہ محمد اقبالؒ
☆ چوہدری رحمت علی
☆ ڈاکٹر عبداللطیف
☆ سر سکندر حیات
☆ چوہدری خلیق الزمان

مندرجہ بالا اہل نظر افراد مختلف ادوار میں تقسیم کا اشارہ کرتے رہے کہ یہی حل انھیں قابل عمل نظر آ رہا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے الٰہ آباد 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے تقسیم کا واضح نقشہ پیش کر دیا۔ چوہدری رحمت علی نے ایک پمفلٹ اب یا کبھی نہیں (Now or Never) تیار کر کے لندن میں ہونے والی تیسری گول میز کانفرنس کے شرکاء میں تقسیم کیا۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تقسیم کا تصور رفتہ رفتہ پروان چڑھا۔ مختلف شخصیات نے اسے مختلف زاویوں سے دیکھا اور اپنی آراء پیش کیں۔ سیّد حسن ریاض نے اپنی تصنیف 'پاکستان ناگزیر تھا' میں لکھا ہے کہ قائداعظمؒ 1930ء سے تقسیم کے فارمولے پر غور کرتے آ رہے تھے اور تخلیق پاکستان کے حق میں اُن کا ذہن قرارداد پاکستان کی توثیق سے کئی سال پہلے ہی بن چکا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کو اپنے نظریہ کے حق میں قائل کرتے رہے اور 1940ء میں قرارداد پاکستان منظور کروا کے اسے ملّی مطالبے کی شکل دے دی۔

پاکستان کا مطالبہ کیوں؟ پاکستان مانگنے کی ضرورت مسلمانان جنوبی ایشیا کو کیوں محسوس ہوئی؟ اس حوالے سے کئی محرکات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ مسلمان ہندومت کے غلبے سے محفوظ ہونا چاہتے تھے۔ ہندو جماعتیں رام راج کے قیام کا مطالبہ کر رہی تھیں اور ہندومت مسلسل اسلام کو دیگر نظاموں کی طرح اپنے اندر جذب کرنے کے درپے تھا۔

☆ اگر متحدہ برصغیر آزاد ہوتا تو جدید جمہوری نظام جو اکثریت کی حکومت کا نام ہے درحقیقت ہندو اقتدار کی ہی ایک دائمی شکل ہوتی۔

☆ ہندوؤں کے معاشی غلبے سے چھٹکارا ضروری تھا اور یہ تقسیم برصغیر کی صورت میں ہی ممکن تھا۔

☆ فرقہ وارانہ فسادات میں مسلمانوں کا خون بری طرح بہایا جاتا رہا۔ یہ صورت انگریزی حکومت کی موجودگی میں قائم تھی انگریزوں کے جانے کے بعد مسلمان ہندوؤں کے رحم و کرم پر ہوتے اور انھیں آئے دن قتل و غارت کا نشانہ بنایا جاتا۔

☆ مسلمانوں کو معاشرہ میں کم تر درجہ دیا جاتا تھا۔ ذات پات، رنگ و نسل اور چھوت چھات کے ہندو معاشرہ میں مسلمان باوقار زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے۔ ہندو مسلمانوں کو مساوی معاشرتی درجہ دینے کو کبھی بھی تیار نہ تھے۔

☆ مسلمانوں کی زبان، ثقافت اور تہذیب کو ختم کرنے کی ہندوؤں کی کوششیں انیسویں صدی کے دوسرے نصف اور بیسویں صدی میں جاری رہیں۔ صاف دکھائی دیتا تھا کہ اگر ہندوستان ایک ملک کے طور پر آزاد ہوتا تو مسلمانوں کی ثقافت، تہذیب اور زبان ہمیشہ خطروں کا شکار رہتی۔

☆ مسلمان چاہتے تھے کہ اسلام کے نام پر ایک مملکت قائم ہو جہاں وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق آزادی سے گزار سکیں۔

☆ دو قومی نظریہ پاکستان کی بنیاد بنا۔ مسلمان ہر لحاظ سے الگ قوم تھے اور انھیں اپنا مستقبل بنانے کے لیے مکمل حق خود ارادیت حاصل تھا۔

ردِ عمل

گاندھی: ''ہندوستان ہماری ماتا ہے اور ہم اپنی ماتا کے ٹکڑے نہیں ہونے دیں گے۔''

راج گوپال آچاریہ: ''یہ مطالبہ ایسا ہے کہ ایک گائے کی ملکیت کا تنازعہ دو بھائیوں کے مابین ہو اور وہ گائے کو دو ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لیں۔''

ماسٹر تارا سنگھ: ''اگر مسلم لیگ پاکستان قائم کرنا چاہتی ہے تو مسلمانوں کو سکھوں کے خون کا ایک سمندر عبور کرنا ہوگا۔''

ابوالکلام آزاد: ''میں پاکستان کے تصور کا مخالف ہوں کیونکہ میری نظر میں خدا کی زمین کو پاک اور ناپاک خطوں میں بانٹنے کا کسی انسان کو حق حاصل نہیں۔''

پنڈت نہرو: ''پاکستان کی ساری سکیم احمقانہ ہے۔اس کا تصور 24 گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکے گا۔''

ہندو پریس: ''دی ہندوستان ٹائمز، ماڈرن ریویو، ٹریبون اور امرت بازار پتریکا نے تقسیم کے منصوبے کی مخالفت میں اداریے تحریر کیے۔ مطالبہ پاکستان کو مجذوب کی بڑ قرار دیا گیا۔ ہندو اخبارات پرتاپ اور ملاپ نے قرارداد کا مذاق اڑایا اور خوب زہر افشانی کی۔''

3 جون 1947ء کا منصوبہ (3rd June 1947 Plan)

انگریز حکومت نے جنگ عظیم دوم کے بعد برصغیر کو آزاد کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مستقبل کے سیاسی اور دستوری مسائل حل کرنے کے لیے مذاکرات ہوئے، کانفرنسیں منعقد کرائی گئیں اور برطانیہ سے کرپس مشن اور کابینہ مشن برصغیر میں آئے۔ کئی تجاویز پر غور کیا گیا۔ انڈین نیشنل کانگرس اور دوسری ہندو جماعتوں کا موقف تھا کہ انگریز برصغیر کو خالی کر کے چلے جائیں۔ ہندوستانی عوام خود ہی دستوری مسائل کو طے کر لیں گے۔ تقسیم پر وہ ہرگز آمادہ نہیں تھیں۔ اس کے برعکس آل انڈیا مسلم لیگ قائداعظمؒ کی زیر قیادت مسلم اکثریت علاقوں میں آزاد اور خودمختار پاکستان کا قیام چاہتی تھی اور اس کے علاوہ کوئی حل اُسے قابل قبول نہ تھا۔

برطانوی حکومت نے آخرکار اپنے اقتدار کی بساط لپیٹنے کے لیے حتمی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو آخری وائسرائے تعینات کیا گیا۔ برطانوی وزیراعظم نے جون 1948ء تک برطانوی کنٹرول اٹھائے جانے کا اعلان کر دیا اور ماؤنٹ بیٹن کو واضح ہدایات دے کر برصغیر بھیجا گیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے آتے ہی بڑی جماعتوں کے اہم راہنماؤں سے ملاقاتیں اور مذاکرات کیے۔ دیسی ریاستوں کے نوابوں اور راجاؤں سے ملا۔ اسے سمجھ آ گئی کہ تقسیم کے علاوہ کوئی اور حل تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ اب معاملہ تھا کہ تقسیم کے اصول کیا مقرر کیے جائیں۔ کانگرسی راہنما بھی یکے بعد دیگرے دوقومی نظریے کو حقیقت سمجھنے لگے۔ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے ذاتی تعلقات نہرو خاندان سے تھے۔ کانگرس کے دیگر راہنما بھی ماؤنٹ بیٹن کو اپنا ہمدرد اور دوست خیال کرتے تھے۔ تقسیم کو ناگزیر سمجھتے ہوئے اب ماؤنٹ بیٹن سے مل کر سازش تیار کی گئی کہ تقسیم کا عمل اس طرح مکمل ہو کہ ایک کٹا پھٹا، غیر متوازن اور کمزور پاکستان تخلیق کیا جائے جو جلد ہی بھارت کا حصہ بننے پر مجبور ہو جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ذاتی عملے کی مدد کے ساتھ دونوں ممالک کی حدود کا تعین کرنے کے لیے بنیادی اصول ترتیب دینے شروع کیے۔ اس نے کانگرسی لیڈروں کو درپردہ یقین دلایا کہ تقسیم کا عمل کانگرس کی مرضی کے مطابق طے پائے گا اور ان کی شرائط کو فوقیت دی جائے گی۔ سازش کا نتیجہ تھا کہ کانگرس کے اہم لیڈر ایک ایک کر کے تقسیم کی مخالفت سے گریز کرنے لگے۔ کانگرس سے ملی بھگت کے نتیجہ میں تیار ہونے والے منصوبے کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن لندن لے گیا اور برطانوی حکومت کی توثیق حاصل کر لی۔ واپسی پر ایک کل جماعتی کانفرنس بلائی جس میں قائداعظمؒ، لیاقت علی خاں، سردار عبدالرب نشتر، پنڈت نہرو، سردار پٹیل، آچاریہ کرپلانی اور بلدیو سنگھ نے شرکت کی۔ وائسرائے نے کانفرنس میں منصوبے کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی۔ بعدازاں ہر جماعت کے راہنماؤں سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کیں۔ 3 جون 1947ء کو کانفرنس کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا اور تمام راہنماؤں نے منصوبے کی منظوری دے دی۔ اگرچہ مسلمانوں سے بدعہدی کی گئی تھی اور کانگرسی لیڈروں کی خوشنودی کے لیے منصوبے میں ناانصافیوں سے کام لیا گیا تھا لیکن قائداعظمؒ نے اس کے باوجود بادل ناخواستہ منصوبے کو قبول کر لیا۔ دونوں بڑی جماعتوں کے

نمائندوں نے ریڈیو پر تقاریر کیں۔ قائداعظمؒ نے اپنی تقریر پاکستان زندہ باد کے نعرے پر ختم کی۔

اہم نکات

1- صوبہ پنجاب اور صوبہ بنگال

پنجاب اور بنگال کی صوبائی اسمبلیوں کے مسلم اکثریت اور غیر مسلم اکثریت کے اضلاع کے نمائندے الگ الگ کثرت رائے سے اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ وہ اپنے صوبوں کی تقسیم چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر دونوں میں سے ایک گروپ نے بھی تقسیم کے حق میں فیصلہ دے دیا تو ایک حد بندی کمیشن مقرر کیا جائے گا جو سرحدوں کا تعین کرے گا۔

2- شمالی مغربی سرحدی صوبہ (خیبر پختونخوا)

شمالی مغربی سرحدی صوبے کے عوام ایک استصواب رائے (ریفرینڈم) میں حصہ لیں گے اور براہ راست فیصلہ کریں گے کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان میں۔ قبائلی علاقوں کے ساتھ سیاسی مسائل استصواب رائے کے بعد بننے والی حکومت خود طے کرے گی۔ استصواب رائے گورنر جنرل خود کروائے گا اور اس کے لیے اسے صوبائی حکومت کا تعاون حاصل ہوگا۔

3- صوبہ سندھ

صوبہ سندھ کی اسمبلی کے ارکان اپنے صوبے کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے اور طے کیا جائے گا کہ وہ دونوں میں سے کس ملک سے الحاق چاہتے ہیں۔ ووٹنگ میں سندھ اسمبلی کے یورپی ارکان کو رائے کے اظہار کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

4- بلوچستان

بلوچستان کو ابھی صوبہ کا درجہ نہیں ملا تھا اس لیے منصوبے کے مطابق کوئٹہ میونسپلٹی اور علاقے کے شاہی جرگے کے ارکان کی رائے طلب کی جائے گی۔ سرکاری ارکان کو رائے دہی میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

5- ضلع سلہٹ

آسام کا ضلع سلہٹ مسلم آبادی کا ضلع تھا۔ منصوبے کے مطابق سلہٹ میں استصواب رائے (ریفرینڈم) کرائے جانے کا فیصلہ ہوا اور استصواب رائے صوبہ بنگال کی دو حصوں میں تقسیم کے بعد ہوگا۔ اگر عوام کی اکثریت نے مشرقی بنگال میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تو وہ پاکستان کا حصہ بن جائیں گے۔

6- باقی صوبے

سلہٹ کے علاوہ باقی پورا آسام بھارت کا حصہ بنے گا۔ اسی طرح بہار، اڑیسہ یو پی، سی پی، بمبئی (ممبئی) اور مدراس بھارت میں شامل کیے جائیں گے۔

7- دیسی ریاستیں

برصغیر میں لگ بھگ چھ سو دیسی ریاستیں تھیں جن کے حکمران نواب اور راجا تھے، ان میں اہم ریاستیں جموں و کشمیر، کپورتھلہ، بیکانیر، حیدرآباد دکن، سوات، دیر، پٹیالہ، بہاولپور اور جوناگڑھ تھیں۔ ریاستوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرلیں اور دونوں

میں سے جس ملک سے چاہیں الحاق کرلیں۔

3 جون 1947ء کے منصوبہ پر عمل

1- غیر مسلم اکثریتی صوبے

بمبئی (ممبئی) مدراس، یوپی، سی پی، بہار اور اڑیسہ میں غیر مسلم اکثریت تھی اس لیے وہ بھارت کا حصہ بنادیے گئے۔

2- سلہٹ

ضلع سلہٹ میں استصواب رائے (ریفرینڈم) کرایا گیا۔ مسلم لیگ نے زبردست مہم چلائی مولانا بھاشانی، فضل القادر چوہدری اور عبدالصبور خاں جیسے لیڈروں نے دن رات محنت کی۔ استصواب رائے میں 24 لاکھ عوام نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیے۔ کل ووٹ $32\frac{1}{2}$ لاکھ تھے۔ سلہٹ پاکستان کا حصہ بن گیا۔

3- شمالی مغربی سرحدی صوبہ (خیبر پختونخوا)

سرحدی صوبے میں استصواب رائے کروایا گیا۔ عوام کی اکثریت نے اپنا فیصلہ پاکستان کے حق میں دیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کو تاریخی کامیابی ملی۔ سردار عبدالرب نشتر، خان عبدالقیوم خاں اور پیر مانکی شریف سمیت مسلم لیگی راہنماؤں نے صوبہ بھر کا دورہ کیا اور نتائج حسب توقع نکلے۔ شمالی مغربی سرحدی صوبہ پاکستان کا حصہ بن گیا۔

4- صوبہ سندھ

صوبائی اسمبلی کے 33 ارکان نے حق میں اور 20 ارکان نے مخالفت میں ووٹ دیے اور واضح اکثریت نے فیصلہ پاکستان کے حق میں دے دیا۔

5- بلوچستان

شاہی جرگے اور کوئٹہ میونسپلٹی کے ممبران نے اتفاق رائے سے قائداعظمؒ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ قاضی محمد عیسیٰ، نواب محمد خاں جوگیزئی اور میر جعفر خاں جمالی نے پاکستان کے حق میں زبردست مہم چلائی۔ نواب آف قلات نے پاکستان کی حمایت کی۔ اس طرح بلوچستان پاکستان میں شامل ہوگیا۔

6- صوبہ پنجاب

پنجاب کی صوبائی اسمبلی میں رائے حاصل کی گئی۔ 91 ممبران نے پاکستان کے حق میں اور 77 ارکان نے مخالفت میں ووٹ دیے۔ پنجاب کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ کام حد بندی کمیشن کے سپرد ہوا کمیشن کا سربراہ ایک معروف برطانوی وکیل سریڈ کلف کو بنایا گیا۔ دو مسلمان جج جسٹس شاہ دین اور جسٹس محمد منیر مسلمانوں کی طرف سے اور دو غیر مسلم جج جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ غیر مسلموں کی طرف سے مقرر کیے گئے۔ سریڈ کلف نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے زیر اثر غیر منصفانہ فیصلے کیے۔ ضلع گورداسپور مسلم اکثریتی ضلع تھا لیکن اس کی تین تحصیلیں بھارت میں شامل کردی گئیں۔ ضلع جالندھر اور ضلع فیروزپور کے مسلم اکثریتی علاقے بھی پاکستان کے حوالے نہ کیے گئے۔ مادھو پور ہیڈ ورکس بھارت کو دے کر پاکستان سے ناانصافی کی گئی۔

7- صوبہ بنگال

صوبہ بنگال کی تقسیم کے لیے بنائے گئے حد بندی کمیشن کا سربراہ بھی سر ریڈ کلف تھا۔ اُس کی مدد کے لیے مسلمانوں کی جانب سے جسٹس ابو صالح محمد اکرم اور جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان جبکہ غیر مسلموں کی طرف سے جسٹس سی۔ سی۔ بسواس اور جسٹس بی۔ کے۔ مکھر جی کو لیا گیا۔ بنگال کو مسلم اور غیر مسلم اکثریتی علاقوں میں تقسیم کرتے وقت حد بندی کی گئی تو وہاں بھی پنجاب کی طرح ناانصافیوں سے کام لیا گیا بہت سے مسلم اکثریتی علاقے بھارت کو سونپ دیے گئے۔ مرشد آباد اور مالدہ کے اضلاع سمیت کئی مسلم اکثریتی علاقوں سے پاکستان کو محروم کر دیا گیا۔ بہر حال صوبہ بنگال کا مشرقی حصہ پاکستان میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

8- دیسی ریاستیں

دیسی ریاستوں کی بہت بڑی تعداد پاکستان یا بھارت کے علاقوں کے درمیان واقع تھی زیادہ تر ریاستوں نے اپنے فیصلے دے دیے۔ صرف ریاست جموں و کشمیر، ریاست جونا گڑھ، ریاست حیدر آباد دکن اور ریاست مناوادر کے بارے میں کوئی نتیجہ اخذ نہ کیا جا سکا۔ جونا گڑھ اور مناوادر کے والیان نے پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا لیکن بھارت نے فوج کشی کر کے ان پر قبضہ کر لیا۔ ریاست حیدر آباد دکن کے والی نظام نے اپنی ریاست کو آزاد حیثیت دینے کا عزم کیا لیکن بھارتی افواج نے حملہ کر کے حیدر آباد دکن کو زبردستی بھارت کا حصہ بنا دیا۔ حیدر آباد دکن، جونا گڑھ اور مناوادر میں عوام کی اکثریت غیر مسلم تھی لیکن ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی بہت بڑی آبادی کا مذہب اسلام تھا۔ وہ پاکستان سے وابستہ ہونا چاہتے تھے لیکن ہندو راجہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ وادی کشمیر میں جنگ آزادی شروع ہو گئی۔ عوامی امنگوں کو بھارتی افواج نے کچلنا چاہا لیکن ناکامی ہوئی تو بھارت مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں لے گیا۔ سلامتی کونسل نے جنگ بندی کروائی۔ بھارتی وزیر اعظم نہرو نے امن کے قیام کے بعد رائے شماری کرانے کا وعدہ کیا لیکن جب بھارت نے کشمیر کو پوری طرح جکڑ لیا تو رائے شماری کا وعدہ پس پشت ڈال دیا گیا۔ 1948ء، 1965ء اور 1971ء میں دونوں ممالک کے درمیان تین جنگیں ہو چکی ہیں لیکن عوام کے حق خود ارادیت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور ریاست جموں و کشمیر کا تنازعہ انصاف کے مطابق ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔

سوالات

حصہ اوّل (معروضی)

-1 ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے:

-i محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام کب عمل میں لایا گیا؟

ا۔ 1866ء ب۔ 1876ء ج۔ 1886ء د۔ 1896ء

-ii برصغیر میں دوقومی نظریے کی اصطلاح سب سے پہلے کس نے استعمال کی؟

ا۔ قائداعظمؒ ب۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ ج۔ شاہ ولی اللہؒ د۔ سرسید احمد خاں

-iii برصغیر میں وزیر امور ہند کا عہدہ سب سے پہلے کس ایکٹ میں متعارف کرایا گیا؟

ا۔ 1858 ب۔ 1861 ج۔ 1892 د۔ 1909

-iv قاضی محمد عیسیٰ کا تعلق کس صوبے سے تھا؟

ا۔ صوبہ بلوچستان ب۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ ج۔ صوبہ سندھ د۔ صوبہ پنجاب

-v قائداعظمؒ نے اپنے مشہور چودہ نکات کب پیش کیے؟

ا۔ 1925ء ب۔ 1927ء ج۔ 1929ء د۔ 1931ء

-vi تحریک خلافت کب شروع ہوئی؟

ا۔ 1916ء ب۔ 1919ء ج۔ 1921ء د۔ 1930ء

-vii بنگال کی تقسیم کب ہوئی؟

ا۔ 1905ء ب۔ 1907ء ج۔ 1909ء د۔ 1911ء

-viii 1906ء میں مسلم لیگ کا قیام کس شہر میں عمل میں آیا؟

ا۔ کراچی ب۔ لکھنؤ ج۔ علی گڑھ د۔ ڈھاکہ

-ix سرسید احمد خاں نے رسالہ تہذیب الاخلاق کب جاری کیا؟

ا۔ 1860ء ب۔ 1865ء ج۔ 1870ء د۔ 1875ء

-x قائداعظمؒ مسلم لیگ میں کب شامل ہوئے؟

ا۔ 1909ء ب۔ 1913ء ج۔ 1917ء د۔ 1921ء

-2 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجیے:

-i 1948ء میں قائداعظمؒ نے سبی دربار سے خطاب کرتے ہوئے کیا فرمایا؟

-ii سرسید احمد خاں کی پانچ تصانیف کے نام لکھیے۔

-iii آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے مقاصد تحریر کیجیے۔

-iv تحریک خلافت میں مسلم اخبارات کا کیا کردار ہے؟

-v 1935ء کے ایکٹ کے تحت ''دوعملی کے نظام'' سے کیا مراد ہے؟

-vi تحریک خلافت کے مقاصد تحریر کیجیے۔

-vii ڈاکٹر جارج براس نے ''آئیڈیالوجی'' کی کیا تعریف کی ہے؟

-viii سانحہ چوراچوری سے کیا مراد ہے؟

-ix سید حسن ریاض نے اپنی تصنیف ''پاکستان ناگزیر تھا'' میں برصغیر کی تقسیم کے حوالے سے قائداعظمؒ کے متعلق کیا لکھا ہے؟

-x 1911ء میں ہونے والی الٰہ آباد کانفرنس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی نمائندگی کس نے کی؟

حصہ دوم (انشائیہ)

-3 درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیجیے:

-i قائداعظمؒ کے ارشادات کی روشنی میں نظریہ پاکستان کی وضاحت کیجیے۔

-ii سرسید احمد خاں کی تعلیمی اور سیاسی خدمات بیان کیجیے۔

-iii آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کی وجوہات کا جائزہ لیجیے۔

-iv میثاق لکھنؤ کے بنیادی نکات لکھیے نیز اہمیت بھی واضح کیجیے۔

-v 1935ء کے ایکٹ کی خصوصیات بیان کیجیے۔

-vi درج ذیل عنوانات کے تحت تحریکِ خلافت کی وضاحت کیجیے:

-i مقاصد -ii گاندھی کا کردار -iii تحریکِ خلافت کی سرگرمیاں

-iv غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا کردار -v تحریک خلافت کے اثرات

-vii قراردادِ پاکستان کا جائزہ لیجیے۔

-viii 3 جون 1947ء کے منصوبے کے اہم نکات بیان کیجیے۔

باب 2

آئینی ارتقاء

(1947ء-1973ء)

آئین کا تاریخی اجمالی جائزہ (1947ء-1956ء)

A brief historical outlook on constitutional development from 1947-19 56

تخلیقِ پاکستان جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے نعمتِ عظمیٰ اور بارگاہِ ایزدی کی طرف سے ایک عطیہ ہے۔ یہ ملک مسلمانوں کی انتھک کوششوں اور قائدِ اعظمؒ کی مدبرانہ بصیرت کا ثمر ہے۔ بقول امریکی صدر ٹرومین ''مملکتِ پاکستان کا معمار دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کا باپ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر جناحؒ کی غیر معمولی قیادت پاکستان اور اس کے باشندوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگی''۔

پاکستان ایک ایسی مملکت ہے جو محض نظریاتی اور مذہبی نقطہ نگاہ سے 14-اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر نمودار ہوئی۔ ہر نوزائیدہ ملک کو اپنے قیام کے فوراً بعد آئین کی ضرورت پڑتی ہے۔ آئین ایک ایسا سیاسی ڈھانچہ ہے جس کے مطابق ریاست کا نظام چلایا جاتا ہے۔ پاکستان کی قومی زندگی میں آئین سازی کا مسئلہ طویل عرصہ تک ایک معمہ بنا رہا۔ اس ضمن میں متعدد تجربات کیے گئے۔ پاکستان کو اس معمے کے حل کے لیے مختلف کٹھن منازل سے گزرنا پڑا۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

پاکستان کا عبوری آئین (Interim Constitution)

حصول آزادی کے بعد پہلے آئین کی تیاری تک 1935ء کا قانون ہی چند ترامیم کے ساتھ عبوری آئین کے طور پر اختیار کیا گیا جس کے تحت تاج برطانیہ کی آئینی حیثیت برقرار رہی۔ وہی گورنر جنرل پاکستان کے تقرر کی منظوری دیتا تھا۔ اس آئین کے تحت وفاقی نظام رائج کیا گیا۔ گورنر جنرل کے اختیارات محدود تھے۔ اصل اختیارات کا سرچشمہ وزیر اعظم تھا۔ یہ پہلا آئین تھا جو 1956ء تک نافذ العمل رہا۔

پہلی آئین ساز اسمبلی (First Constitutional Assembly)

نئی آئین ساز اسمبلی کے انتخاب کی بجائے 1946ء کے انتخابات میں کامیاب ہونے والے ایسے ارکان پر مشتمل ایک آئین ساز اسمبلی تشکیل کی گئی جن کی وابستگی پاکستان کے ساتھ تھی۔ اس پہلی اسمبلی نے 10-اگست 1947ء کو قائداعظمؒ کو اپنا صدر منتخب کر لیا۔ آپ نے چیف جسٹس سر عبدالرشید کے سامنے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ آغاز میں اسمبلی 69 ارکان پر مشتمل تھی، بعد میں تعداد 79 کر دی گئی۔ مولوی تمیز الدین اسمبلی کے پہلے سپیکر تھے۔ عبوری آئین کے تحت اس نئی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا جو آئین ساز اسمبلی کے ساتھ مرکزی پارلیمنٹ بھی تھی جس نے 44 قوانین کی منظوری دی۔ اس میں سے پروڈا PRODA (Public and Representative Officers Disqualification Act-1949) اہم ترین قانون تھا۔

قراردادِ مقاصد (Objectives Resolution)

12 مارچ 1949ء میں پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں کی تحریک پر آئین ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی جس کی تیاری میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے اہم کردار ادا کیا۔ قراردادِ مقاصد نے پاکستان کی آئین سازی میں نہایت اہم مقام حاصل کیا۔

قرارداد کے اہم نکات یہ تھے:

1- اقتدارِ اعلیٰ یا حاکمیت (Sovereignty)

انسانوں کی کل کائنات پر واحد حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے، جو اس نے عوامی نمائندوں کو منتقل کی ہے تاکہ وہ اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کی حدود میں رہتے ہوئے استعمال کریں، جو ایک مقدس امانت ہے۔

2- اسلامی اصول (Islamic Principles)

پاکستان میں اسلامی اقدار کو فروغ دیا جائے گا۔ جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں پر عمل کیا جائے گا۔

3- اسلامی طرزِ زندگی (Islamic Way of Life)

مسلمانوں کو انفرادی و اجتماعی شعبوں میں اپنی زندگیاں قرآن و سنت کی روشنی میں بسر کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔

4- اسلامی قانون سازی (Islamic Legislation)

پاکستان کا آئین قرآن و سنت کی روشنی میں ترتیب دیا جائے گا اور یہاں اسلامی اُصولوں سے متصادم کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی۔

5- بنیادی حقوق (Fundamental Rights)

تمام شہریوں کو بلا امتیاز معاشرتی، معاشی، سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل ہوں گے۔ مزید برآں انھیں فکر و اظہار، تنظیم سازی اور آزادیِ اجتماع میسر ہوگا تاکہ وہ اپنی شخصیتوں کی بہتر نشوونما کرسکیں۔

6- وفاقی طرزِ حکومت (Federal Government)

پاکستان ایک وفاق ہوگا جس میں صوبوں کو آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے خود مختاری حاصل ہوگی۔

7- اقلیتوں کا تحفظ (Protection of Minorities)

پاکستان کے تمام غیر مسلم شہریوں کو مکمل آزادی و تحفظ ملے گا۔ انھیں اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے اور عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی آزادی ہوگی۔

8- پسماندہ علاقوں کی ترقی (Development of Backward Areas)

پسماندہ علاقوں کو سیاسی، معاشرتی اور معاشی شعبوں میں شرکت اور ترقی کے مساوی مواقع میسر آئیں گے اور ان کے حقوق کو قانونی تحفظ دیا جائے گا۔

9- عدلیہ کی آزادی (Independence of Judiciary)

عدلیہ آزاد اور خودمختار ہوگی۔ اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہوگا اور وہ انصاف کے تقاضے اپنے اختیارات کے مطابق پورے کرنے کی حامل ہوگی۔

10- دفاعِ پاکستان (Defence of Pakistan)

پاکستان کی بری، بحری اور فضائی حدود کے دفاع کا مناسب بندوبست ہوگا اور وفاق میں شامل تمام علاقوں کی سالمیت اور ملکی آزادی کا مکمل تحفظ کیا جائے گا تاکہ پاکستان مضبوط اور خوش حال ہو اور وہ اقوامِ عالم میں اپنا جائز اور باوقار مقام حاصل کر سکے۔

اہمیت (Importance)

پاکستان کی آئین سازی کی تاریخ میں قراردادِ مقاصد کو برطانیہ کے منشورِ اعظم (Magna Carta) کی حیثیت حاصل ہے۔ اس قرارداد کے ذریعے تخلیقِ پاکستان کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں ایک اسلامی معاشرے کے قیام کو ملک کا نصب العین قرار دیا گیا۔ اس لیے اس کو پاکستان کے تینوں دساتیر (1956ء، 1962ء، 1973ء) میں افتتاحیہ کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ ملک کی آئینی تاریخ میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی (Basic Principles Committee)

قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد مارچ 1949ء میں ہی آئین سازی کے کام کو مزید آگے بڑھانے کے لیے مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ ان میں سے سب سے اہم "بنیادی اصولوں کی کمیٹی" تھی جو 25 ارکان پر مشتمل تھی۔ اس کا چیئرمین وزیرِاعظم تھا۔ مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کے لیے چار ذیلی کمیٹیاں قائم ہوئیں۔ ان سب کمیٹیوں کے علاوہ جید علمائے کرام پر مشتمل ایک بورڈ "برائے تعلیماتِ اسلامیہ" بھی بنایا گیا۔ اس کا کام آئینی نظریاتی اساس سے متعلق مشورہ فراہم کرنا تھا۔

کمیٹی کی سفارشات (Recommendations)

کمیٹی کی عبوری رپورٹ 28 ستمبر 1950ء کو لیاقت علی خاں نے اسمبلی میں پیش کی۔ یہ رپورٹ نامکمل ثابت ہوئی۔ جس کی بنا پر اس کے خلاف شدید ردِعمل کا اظہار کیا گیا۔ لیکن نئی رپورٹ پیش ہونے سے پہلے 16 اکتوبر 1951ء کو لیاقت علی خاں کو راولپنڈی میں ایک جلسۂ عام میں شہید کر دیا گیا۔ ان کی جگہ خواجہ ناظم الدین نے گورنر جنرل کا عہدہ چھوڑ کر وزیرِاعظم کا قلمدان سنبھالا۔ اور ملک غلام محمد کو پاکستان کا تیسرا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ نئی رپورٹ جولائی 1952ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔

دوسری رپورٹ (Second Report)

دوسری رپورٹ خواجہ ناظم الدین نے 22 دسمبر 1952ء کو ایوان کے سامنے پیش کی۔ اس میں پاکستان میں دو ایوان تجویز کیے گئے۔ ایوانِ بالا 120 اور ایوانِ زیریں 400 ارکان پر مشتمل ہوگا جو برابر نمائندگی پر منتخب ہوں گے۔ ایوانِ زیریں کو قانون سازی میں برتری حاصل ہوگی۔ سربراہ صدر ہوگا۔ جس کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کے لیے علمائے کرام کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے گا جس کو صدر مقرر کرے گا۔ سپریم کورٹ اعلیٰ مرکزی عدالت ہوگی۔

اس رپورٹ کی بعض شقوں پر شدید تنقید کی گئی۔ سب سے زیادہ اعتراض مشرقی پاکستان کے لوگوں نے اسمبلی میں دونوں صوبوں

کی برابر نمائندگی اور مرکز وصوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے بارے میں کیا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ صوبائی خودمختاری بہت کم ہے۔ علما کے بورڈ کو بھی غیر جمہوری قرار دیا گیا۔ چنانچہ ان اعتراضات کے پیش نظر یہ رپورٹ منظوری حاصل نہ کرسکی۔ اپریل 1953ء میں گورنر جنرل غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر کے محمد علی بوگرہ کو ان کی جگہ وزیر اعظم مقرر کیا جو اس وقت امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے۔ اس طرح مسلم لیگ میں دھڑے بندیوں کا آغاز ہوا۔

محمد علی بوگرہ کا فارمولا (Muhammad Ali Bogra's Formula)

16 اپریل 1953ء میں محمد علی بوگرہ نے پاکستان کے تیسرے وزیر اعظم کا حلف اٹھایا۔ انھوں نے چھ ماہ کی تگ ودو کے بعد ایک فارمولا ترتیب دیا جو "محمد علی بوگرہ فارمولا" کہلاتا ہے۔ یہ فارمولا دسمبر 1953ء میں اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ اس فارمولے کے تحت دو ایوانی مقننہ تجویز کی گئی۔ ایوانِ بالا 150 ارکان پر مشتمل تھا جس میں ہر صوبے کو مساوی نمائندگی حاصل تھی۔ ایوانِ زیریں کی کل نشستیں 300 مقرر کی گئیں اور ان کی تقسیم آبادی کی بنیاد پر تھی۔ صدر پاکستان کا انتخاب پانچ سال کے لیے دونوں ایوانوں کے اراکین مشترکہ اجلاس میں کریں گے۔ دونوں ایوانوں کے اختیارات برابر ہوں گے۔ صدر اگر مغربی پاکستان سے ہو تو وزیر اعظم مشرقی پاکستان سے لیا جائے گا۔ سپریم کورٹ پاکستان کی اعلیٰ عدالت ہوگی۔ اردو و بنگالی دونوں سرکاری زبانیں ہوں گی۔ آئین ساز اسمبلی نے 21 دسمبر 1954ء کو اس فارمولے کو منظور کرلیا۔ اس طرح آئین سازی کا حتمی مسودہ منظور ہوگیا اور اسمبلی کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پہلی آئین ساز اسمبلی کی تنسیخ (Dissolution of Assembly)

اس مسودے کو صرف گورنر جنرل کی رسمی منظوری باقی تھی کہ گورنر جنرل ملک غلام محمد نے ایک سرکاری اعلان کے ذریعے 24 دسمبر 1954ء کو اسمبلی کو منسوخ کر کے ہنگامی حالت کا اعلان کردیا۔ اس اعلان میں دوسری آئین ساز اسمبلی کے انتخابات جلد کروانے کا ذکر بھی کیا۔ ایسے نازک موقع پر اسمبلی توڑنے کے خطرناک نتائج برآمد ہوئے۔ اسمبلی توڑنے کی اہم وجہ یہ بتائی گئی کہ مشرقی پاکستان میں 1954ء کے صوبائی انتخابات میں برسرِ اقتدار مسلم لیگ کو زبردست ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح پروڈا (PRODA) قانون کو ختم کر کے گورنر جنرل کے اختیارات میں کمی کردی گئی تھی جسے گورنر جنرل نے برداشت نہ کیا اور اسمبلی منسوخ کردی۔

دوسری آئین ساز اسمبلی کا قیام (Second Constituent Assembly)

برخاست شدہ اسمبلی کے سپیکر مولوی تمیز الدین نے گورنر جنرل کے اسمبلی توڑنے کے اقدامات کو سندھ ہائی کورٹ میں چیلنج کردیا جس نے مولوی تمیز الدین کے حق میں متفقہ فیصلہ سنایا۔ لیکن حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کردی۔ سپریم کورٹ نے حکومتی فیصلے کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ اسمبلی اپنی نمائندہ حیثیت کھو چکی ہے۔ اور آئین بنانے میں ناکام رہی ہے۔ لہٰذا نئی آئین ساز اسمبلی کی تشکیل کی جائے۔ چنانچہ نئی آئین ساز اسمبلی کا انتخاب 23 جون 1955ء کو کرایا گیا۔ اس کے اراکین کی تعداد 80 تھی۔ جنھیں صوبائی اسمبلیوں نے منتخب کیا تھا۔ مشرقی و مغربی پاکستان کو مساوی نمائندگی دی گئی۔ مسلم لیگ صرف 25 نشستیں حاصل کرسکی۔ مخلوط حکومت کا قیام عمل میں آیا جس کے قائد چودھری محمد علی مقرر ہوئے۔

وحدت مغربی پاکستان (One Unit)

جغرافیائی عوامل آئین سازی میں تاخیر کا سبب بنے۔ کیونکہ ملک دو غیر مساوی حصوں میں منقسم تھا۔ مشرقی پاکستان کی آبادی زیادہ اور ایک وحدت پرمبنی تھی۔ مغربی پاکستان چار صوبوں اور بارہ ریاستوں پر محیط تھا۔ چنانچہ نئی حکومت نے مغربی پاکستان کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو ملا کر ایک صوبہ تشکیل دے دیا۔ 14 اکتوبر 1955ء کو مغربی پاکستان کا نیا صوبہ وجود میں آیا جو بارہ ڈویژن پر مشتمل تھا۔ اس طرح وفاق مغربی اور مشرقی پاکستان پر مشتمل ہوگیا۔ اس سے نمائندگی کے مسئلے میں حائل رکاوٹیں دور ہوگئیں۔ نواب مشتاق احمد گورمانی مغربی پاکستان کے پہلے گورنر اور ڈاکٹر خان صاحب پہلے وزیر اعلیٰ بنے۔ یہ وحدت 1970ء تک قائم رہی۔

نئے آئین کی تشکیل (Composition of New Constitution)

وحدت مغربی پاکستان کے بعد آئین سازی کا کام بہت حد تک آسان ہوگیا۔ پہلی آئین ساز اسمبلی کافی کام مکمل کر چکی تھی۔ اس سے استفادہ کرتے ہوئے چودھری محمد علی نے دوسری آئین ساز اسمبلی کی نگرانی میں بڑی کاوش اور تن دہی سے ایک ایسا فارمولا تشکیل دیا، جس پر تمام سیاسی گروپوں اور صوبوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔ نئے آئین کا مسودہ 9 جنوری 1956ء کو اسمبلی میں پیش کیا گیا، جسے گورنر جنرل کی حتمی منظوری کے بعد پاکستان کے پہلے آئین کے طور پر 23 مارچ 1956ء کو ملک میں نافذ کر دیا گیا۔

1956ء کے آئین کے اہم خدوخال
(Salient Features of Constitution of 1956)

1- تحریری آئین (Written Constitution)

1956ء کا آئین مختصر اور تحریری نوعیت کا تھا۔ یہ آئین 234 دفعات، 13 ابواب اور 6 گوشواروں پر مشتمل تھا۔ آئین کے افتتاحیہ میں قرارداد مقاصد کو شامل کیا گیا۔

2- وفاقی آئین (Federal Constitution)

اس آئین کے تحت پاکستان کو وفاقی ریاست قرار دیا گیا۔ وفاق دو صوبوں پر محیط تھا۔ ایک مغربی پاکستان اور دوسرا مشرقی پاکستان۔ اختیارات حکومت کو مرکز اور صوبوں میں تین فہرستوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک مرکزی حکومت کے اختیارات کی فہرست، دوسری صوبائی حکومتوں کے اختیارات کی فہرست اور تیسری مشترکہ اختیارات کی فہرست تھی جس پر بیک وقت مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو قانون سازی کا اختیار تھا۔ آئین میں کافی حد تک صوبوں کو صوبائی خودمختاری دی گئی تھی۔

3- لچکدار آئین (Flexible Constitution)

یہ آئین لچکدار نوعیت کا تھا۔ اس میں بدلتے ہوئے حالات کے مطابق تبدیلیوں کی گنجائش تھی۔ قومی اسمبلی کے حاضر ارکان کی دوتہائی اکثریت آئین میں ترمیم کی مجاز تھی جس کی توثیق صدر کرتا تھا۔

4- پارلیمانی نظام (Parliamentary System)

یہ آئین پارلیمانی نظام کا حامل تھا۔ ملک کا سربراہ صدر اور حکومت کا سربراہ وزیر اعظم تھا۔ صدر کو برائے نام اختیارات حاصل

تھے۔ اختیارات کا اصل سرچشمہ وزیر اعظم تھا۔ وزیر اعظم اپنی کابینہ چننے کا مجاز تھا۔ لیکن وہ اور اس کی کابینہ قومی اسمبلی کے سامنے اپنے اعمال کے لیے جوابدہ تھی۔ صدر کو قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیاں مل کر پانچ سال کے لیے منتخب کرتی تھیں۔ صدر کا مواخذہ قومی اسمبلی کی دوتہائی اکثریت سے ہی ممکن تھا۔ قومی اسمبلی کی اکثریت وزیر اعظم اور وزرا کے خلاف عدم اعتماد کا اختیار رکھتی تھی۔

5- یک ایوانی مقننہ (Unicameral Leglislature)

اس آئین کے تحت یک ایوانی مقننہ کا طریق کار رائج کیا گیا جس کا نام قومی اسمبلی تھا جو 300 اراکین پر مشتمل تھی۔ 150 مشرقی پاکستان اور 150 مغربی پاکستان سے تھے۔ خواتین کے لیے 10 نشستیں مخصوص تھیں جن میں پانچ مشرقی پاکستان اور پانچ مغربی پاکستان سے منتخب ہوناتھیں۔ اسمبلی کی مدت 5 سال تھی۔

6- عدلیہ کی آزادی (Independence of Judiciary)

اس آئین میں عدلیہ کی آزادی کی ضمانت فراہم کی گئی۔ اعلیٰ ترین عدالت سپریم کورٹ ہوگی۔ دونوں صوبوں میں دو ہائی کورٹس کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ چیف جسٹس اور ججوں کی تقرری صدر پاکستان کریں گے۔ ججوں کو ملازمت کا تحفظ حاصل تھا۔ ان کی برطرفی مواخذہ کے ذریعے قومی اسمبلی کی دوتہائی اکثریت سے ممکن تھی جس کی توثیق صدر پاکستان نے کرنا تھی۔

7- واحد شہریت (Single Citizenship)

پاکستان میں شہریوں کو صرف واحد شہریت حاصل ہوگی۔ تمام شہری پاکستانی کہلائیں گے۔ امریکہ میں شہریوں کو دوہری شہریت حاصل ہے۔ ایک مرکزی حکومت کی شہریت اور دوسری ریاستوں کی حکومت کی شہریت جبکہ پاکستان میں واحد شہریت کا اصول قائم تھا۔

8- بنیادی حقوق (Fundamental Rights)

آئین کے مطابق شہریوں کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جس کی ضمانت اقوام متحدہ کے چارٹر میں فراہم کی گئی ہے۔ تمام شہری قانون کی نگاہ میں برابر ہوں گے اور ان کو معاشرتی، سیاسی اور معاشی حقوق عطا کیے جائیں گے۔ کسی شہری کو بلا جواز گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ گرفتاری کی صورت میں اسے صفائی کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ ان حقوق کو عدالتی تحفظ میسر ہوگا۔ ان حقوق کی پامالی کی صورت میں شہریوں کو عدلیہ سے رجوع کرنے کی اجازت ہوگی۔

9- سرکاری زبانیں (Official Languages)

1956ء کے آئین کے تحت اردو اور بنگالی دونوں زبانوں کو سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کیا گیا لیکن ساتھ یہ وضاحت کی گئی کہ آئندہ پچیس سال تک انگریزی دفتری زبان کی حیثیت سے رائج رہے گی۔

10- اسلامی دفعات (Islamic Provisions)

آئین کی رو سے پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ صدر لازمی طور پر مسلمان ہوگا۔ قرارداد مقاصد کو آئین کے دیباچہ میں شامل کیا گیا جس کی رو سے حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔ اور اختیارات کو عوامی نمائندے ایک مقدس امانت کے طور پر قرآن وسنت کے مطابق استعمال کریں گے۔ عوام اپنی انفرادی واجتماعی زندگیوں کو اسلام کے مطابق گزاریں گے۔ کوئی قانون

قرآن وسنت سے متصادم نہ بنایا جائے گا اور نہ ہی نافذ العمل ہوگا۔ ملک سے سود، عصمت فروشی، جوا اور شراب کی لعنت کا خاتمہ کیا جائے گا۔ پاکستان کو ایک فلاحی مملکت بنایا جائے گا۔

11- آئینی ادارے (Constitutional Institutions)

اس آئین کے تحت مختلف آئینی ادارے قائم کیے گئے جن میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، پبلک سروس کمیشن، چیف الیکشن کمشنر اور آڈیٹر جنرل قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام ادارے اپنے دائرۂ اختیارات میں عمل کرنے کے مجاز تھے۔

1962ء کے آئین کے اہم خدوخال

(Salient Features of Constitution of 1962)

فروری 1960ء میں ایوب خاں نے سابق چیف جسٹس شہاب الدین کی سرکردگی میں آئین سازی کے لیے ایک دس رکنی آئینی کمیشن تشکیل دیا جس نے اپنی سفارشات مئی 1961ء میں صدرِ مملکت کو پیش کر دیں۔ بعد ازاں صدر نے وزیر خارجہ منظور قادر کی قیادت میں کابینہ کے سات ارکان پر مشتمل ایک آئینی کمیٹی بنائی جس نے آئینی کمیشن کی سفارشات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی مرضی سے آئینی سفارشات مرتب کیں جنھیں گورنروں کی کانفرنس میں منظور کر لیا گیا۔ اس طرح آئین مکمل کر لیا گیا۔

8 جون 1962ء کو صدر محمد ایوب خاں نے ایک صدارتی حکم کے ذریعے اُس آئین کو ملک میں نافذ کر دیا۔ اس کے نمایاں خدوخال درج ذیل ہیں:

1- تحریری آئین (Written Constitution)

1962ء کا آئین 250 دفعات، 5 گوشواروں، 8 ترامیم اور مارشل لا کے 31 ضوابط پر مشتمل ایک تحریری آئین تھا۔ اسے 12 حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گویا ضخامت کے لحاظ سے یہ 1956ء کے آئین سے طویل تھا۔

2- وفاقی آئین (Federal Constitution)

1962ء کے آئین کے مطابق پاکستان دو صوبوں پر مشتمل وفاق تھا۔ قومی اسمبلی میں دونوں صوبوں یعنی مشرقی و مغربی پاکستان کو یکساں نمائندگی دی گئی۔ انتخابی ادارے میں بھی دونوں صوبوں کے نمائندوں کی تعداد یکساں یعنی چالیس، چالیس ہزار تھی۔ آئین میں مرکزی حکومت کے اختیارات کی وضاحت کی گئی۔ باقی ماندہ اختیارات صوبوں کو عطا کیے گئے۔

3- صدارتی آئین (Presidential Constitution)

اس آئین کے تحت صدارتی طرزِ حکومت کا تجربہ کیا گیا۔ صدر سربراہ مملکت اور سربراہ حکومت بھی تھا۔ جس کا انتخاب بنیادی جمہوریتوں کے 80 ہزار اراکین پر مشتمل انتخابی ادارہ 5 سال کے لیے کرتا تھا۔ تمام انتظامی اختیارات کا محور صدر تھا۔ اس کو قانون سازی کے وسیع اختیارات تفویض کیے گئے تھے۔ کابینہ کے ارکان قومی اسمبلی کی بجائے صدر کے سامنے جوابدہ تھے۔ کلیدی آسامیوں کی تمام تقرریاں صدر کے ہاتھ میں تھیں۔

4- استوار آئین (Rigid Constitution)

اس آئین کے تحت قومی اسمبلی کی دو تہائی اکثریت آئین میں ترمیم کر سکتی تھی۔ ترمیمی بل صدر کی منظوری کے لیے پیش

کیا جاتا تھا۔اس کے دستخطوں سے وہ بل قانونی شکل اختیار کر لیتا تھا۔صدر منظوری کے بغیر اسے دوبارہ قومی اسمبلی کو بھیجنے کا مجاز تھا۔ قومی اسمبلی کی تین چوتھائی اکثریت اگر اسے دوبارہ پاس کر دے تو صدر اسے استصواب رائے کے لیے انتخابی ادارے کے سامنے پیش کر سکتا تھا۔اگر انتخابی ادارہ کثرت رائے سے منظوری دے دے تو صدر کی منظوری کے بغیر ہی وہ ترمیم آئین کا حصہ بن سکتی تھی۔

5- یک ایوانی مقننہ (Unicameral Legislature)

1956ء کے آئین کی طرح 1962ء کے آئین میں بھی یک ایوانی مقننہ ترتیب دی گئی جسے قومی اسمبلی کا نام دیا گیا۔جس کو بالواسطہ انتخاب کے ذریعہ انتخابی ادارہ 5 سال کے لیے منتخب کرتا تھا۔اس میں دونوں صوبوں کو مساوی نمائندگی حاصل تھی۔

6- واحد شہریت (Single Citizenship)

1956ء کے آئین کی طرح 1962ء کے آئین میں بھی واحد شہریت کا اصول اپنایا گیا۔پاکستان کے تمام شہری صرف جمہوریہ پاکستان کے شہری تھے۔مشرقی یا مغربی پاکستان کے نہیں جبکہ وفاقی طرز حکومت میں دوہری شہریت اپنائی جاتی ہے۔

7- بنیادی حقوق (Fundamental Rights)

بنیادی آئین میں بنیادی حقوق کا تذکرہ مفقود تھا۔آئین میں پہلی ترمیم کے ذریعے بنیادی شہری حقوق شامل کیے گئے اور ان کے تحفظ کی ضمانت بھی فراہم کی گئی جو عدلیہ کے ذمہ تھی۔ان حقوق کے منافی کوئی قانون سازی ممکن نہ تھی۔حکومت کا کوئی شعبہ بنیادی حقوق کے خلاف اقدام نہیں کر سکتا تھا۔اہم ترین بنیادی حقوق میں تحریر وتقریر کی آزادی،اجتماع وانجمن سازی، مذہبی آزادی اور جان ومال کا تحفظ شامل تھا۔

8- اسلامی دفعات (Islamic Provisions)

اس آئین میں قرارداد مقاصد کو ابتدائیہ کے طور پر شامل کیا گیا جس میں یہ وضاحت کی گئی کہ پوری کائنات کی حاکمیت بلاشرکت غیر اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔پاکستان کے عوام قرآن وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے حاکمیت کو ایک مقدس امانت کی حیثیت سے استعمال کرنے کے پابند ہیں۔ملک کا نام پہلے ''جمہوریہ پاکستان'' رکھا گیا۔لیکن عوام کے اصرار پر آئین میں ترمیم کے ذریعے ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' رکھا گیا۔صدر مملکت کا مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔پاکستان کے عوام کو اپنی انفرادی واجتماعی زندگیاں اسلامی اُصولوں کے مطابق بسر کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔اور اسلامی تعلیمات سے متصادم کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی۔

9- اسلامی مشاورتی کونسل (Islamic Advisory Council)

صدر پاکستان، گورنروں، مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کو قانونی معاملات میں مشورے دینے کے لیے ایک اسلامی مشاورتی کونسل تشکیل دی جائے گی تاکہ قانون سازی اسلام کے مطابق ممکن ہو اور موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالا جا سکے۔اسلامی مشاورتی کونسل عملاً ایک بے اختیار ادارہ تھی۔اس کی رائے کی حیثیت صرف مشاورتی تھی۔حکومت اس کو قبول کرنے کی پابند نہ تھی۔

10- قومی زبانیں (National Languages)

اردو اور بنگالی دونوں کو قومی زبانوں کی حیثیت دی گئی لیکن انگریزی کو اس وقت تک سرکاری زبان کی حیثیت حاصل رہے گی جب تک قومی زبانیں دفتری حیثیت اختیار نہیں کر لیتیں۔

11- بالواسطہ جمہوریت (Indirect Democracy)

براہ راست انتخاب کا طریقہ ختم کر کے بالواسطہ جمہوریت کا نیا نظام رائج کیا گیا۔ اس نظام کو بنیادی جمہوریتوں کا نام دیا گیا۔ صدر، قومی اسمبلی اور دونوں صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب کے لیے ایک انتخابی ادارہ قائم کیا گیا۔ جس کے ارکان کی تعداد 80 ہزار تھی جو بعد میں ایک لاکھ بیس ہزار کر دی گئی۔ ان کو عوام منتخب کرتے تھے۔ یہ ارکان دونوں صوبوں سے یکساں تعداد میں لیے جاتے تھے۔

1971ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب

Causes of Separation of East Pakistan in 1971

مشرقی پاکستان وفاق پاکستان کا دایاں بازو تھا۔ جہاں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے ایک الگ وطن کے حصول کے لیے پاکستان کی بانی جماعت مسلم لیگ کا پودا 1906ء میں لگایا تھا اور مسلم زعما نے انگریزوں اور ہندوؤں کی تنگ نظری سے نجات کا راستہ اختیار کیا۔ یہ بازو اندرونی و بیرونی ریشہ دوانیوں کے سبب 1971ء میں ہم سب سے کٹ گیا۔ پاکستان دولخت ہوگیا۔ ذیل میں اس کے اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے:

1- قومی قیادت کا فقدان (Lack of National Leadership)

قائداعظمؒ کی وفات کے بعد پاکستان میں محبِ وطن لیڈرشپ کا فقدان ہوگیا۔ مسلم لیگی قائدین عوام پر حکومت کرنا صرف اپنا حق سمجھتے تھے جس کے پیش نظر مشرقی پاکستان کی مسلم لیگی وزارت قیام پاکستان کے بعد عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ ان کا مسلسل رابطہ عوام سے برقرار نہ رہا۔ وہ عوامی مسائل سے بالکل آگاہ نہ تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ 1954ء کے مشرقی پاکستان میں انتخابات ہار گئی۔ اس نے برے اثرات مرتب کیے جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سبب بنے۔

2- اقتصادی بدحالی (Poor Economic Condition)

مشرقی پاکستان ہمیشہ سے اقتصادی طور پر بدحالی کا شکار رہا۔ تقسیم ہند سے پہلے بھی اس کی پسماندگی کا سبب مغربی بنگال کا ہندو صنعت کار اور ہندو زمیندار تھا۔ اب بھی ہندو مشرقی پاکستان کی معیشت پر چھائے ہوئے تھے۔ کثیر آبادی پر مشتمل یہ صوبہ اپنے مخصوص جغرافیائی حالات کی وجہ سے اتنی جلدی صنعت کاری کے اثرات حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ پوری کوششوں کے باوجود بھی پاکستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں معاشی طور پر پسماندہ رہا۔ اس سے مقامی آبادی میں احساسِ محرومی پیدا ہوگیا جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں نمودار ہوا۔

3- ہندو اساتذہ کا منفی کردار (Negative Role of Hindu Teachers)

قیام پاکستان کے بعد حکومتیں پاکستانی قومیت کا جذبہ ابھارنے میں ناکام رہیں۔ اس کے برعکس پاکستان مخالف گروہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے میں کامیاب رہے۔ بدقسمتی سے بنگالی مسلمان ہمیشہ تعلیمی میدان میں ہندو سے کم تر رہا اس لیے سکولوں اور کالجوں کے اساتذہ کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی جنھوں نے نئی نسل کے ذہنوں کو بنگالی قومیت سے آلودہ کر دیا۔ اسے نظریۂ پاکستان کے خلاف قیادت پر آمادہ کیا اور اس طرح مغربی پاکستان سے علیحدگی حاصل کرنے کی راہ ہموار کی۔

4- بنگالی زبان کا مسئلہ (Problem of Bengali Language)

بنگالی زبان کے مسئلے نے قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد اردو کو قومی زبان قرار دیا گیا۔ بنگالیوں نے بنگالی زبان کے حق میں تحریک شروع کی لیکن قائداعظمؒ کے غیر معمولی اثر ورسوخ کی وجہ سے یہ تحریک وقتی طور پر دب گئی۔ 1956ء کے آئین میں اردو اور بنگالی زبان کو سرکاری زبانیں تسلیم بھی کر لیا گیا لیکن بنگالیوں کی نفرت دور نہ ہو سکی۔

5- صوبائی تعصبات (Provincial Prejudices)

مشرقی پاکستان کی آبادی کل آبادی کا 56 فیصد تھی۔ لیکن وہ پاکستان کے پانچ یونٹوں میں سے ایک یونٹ تھا لیکن مشرقی پاکستان کے طالع آزما سیاستدانوں نے نہ صرف ایوانِ زیریں میں آبادی کے تناسب سے نمائندگی کا مطالبہ کیا بلکہ ایوان بالا میں بھی اس فارمولے پر زور دیا۔ جس کی بنا پر بنگالی اور پنجابی سیاستدان ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو گئے جو ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا موجب بنے۔

6- سیاستدانوں کی علاقائی سیاست (Territorial Politics of Politicians)

1954ء میں مسلم لیگ انتخابات ہار گئی اور میدانِ سیاست سہروردی، بھاشانی اور فضل الحق کے ہاتھ میں چلا گیا جنھوں نے اقتدار ایک دوسرے سے چھیننے کے لیے ہندو ارکان اسمبلی کی حمایت حاصل کرنے کی تگ و دو شروع کر دی۔ عوام کو ساتھ ملانے کے لیے منفی ہتھکنڈے استعمال کیے۔ اس طرح کرسی کے حصول کے لیے ان سیاستدانوں نے اس کرسی کے پائے توڑنے کی پالیسی پر عمل کیا۔

7- ایوبی آمرانہ دور (Ayub Dictatorial Era)

ایوب کا دس سالہ آمرانہ دور پاکستان پر مسلط رہا۔ مستقل طور پر نافذ "ہنگامی حالت" نے نوکر شاہی کو تحفظ دیے رکھا۔ انھوں نے عوام کو دبا کر رکھنے کی وہ باتیں اختیار کیں جس کے خلاف اندرونی طور پر ردعمل پیدا ہوتا رہا۔ مشرقی پاکستان کے عوام بھی اس سنگین حالت کو برداشت نہ کر سکے اور علیحدگی پر مجبور ہو گئے۔

8- مجیب الرحمٰن کا چھ نکاتی فارمولا (Six Points Formula of Mujeeb-ur-Rehman)

مجیب الرحمٰن کا چھ نکاتی فارمولا مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لیے زہر قاتل ثابت ہوا۔ اس فارمولے کا سبب یہ تھا کہ صوبوں کو الگ ریاستیں بنا دیا جائے اور نیم وفاق قائم کر دیا جائے۔ مجیب الرحمٰن نے معاشی بدحالی سے پسے ہوئے عوام کو اس حد تک مسحور کر لیا کہ جب تک مغربی پاکستان کی غلامی ختم نہیں ہو جاتی تم خوشحال نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی خود ساختہ صوبائی خودمختاری کے ڈرامے میں کامیاب ہو گیا۔

9- بھٹو مجیب اختلافات (Bhutto Mujeeb Differences)

بھٹو مجیب اختلافات نے علیحدگی کے مسئلے کو مزید ہوا دی۔ ان دونوں کے اختلافات کو ختم کروانے کے لیے مذاکرات کا اہتمام کیا گیا لیکن چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ بھٹو نے 3 مارچ 1971ء کے قومی اسمبلی کے اجلاس کا بائیکاٹ کیا جس سے مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان فاصلہ بڑھا جو علیحدگی کا موجب بنا۔

-10 فوجی کارروائی *(Military Action)*

23 مارچ 1971ء کو مجیب الرحمٰن نے اعلانِ بغاوت کر دیا۔ بنگلہ دیش کے جھنڈے تک لہرا دیے گئے اور مغربی پاکستان کے باشندوں اور بہاریوں کا قتلِ عام شروع کر دیا گیا جس کے پیش نظر فوجی کارروائی کا فیصلہ کیا گیا۔ میجر جنرل یعقوب علی خاں نے فوجی کارروائی سے انکار کرتے ہوئے استعفیٰ دے دیا اور ٹکا خاں کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ ٹکا خاں نے سنگین کارروائی کا ارتکاب کیا۔ اس کارروائی نے مغربی پاکستان کے خلاف مزید ردِعمل پیدا کیا اور مرکزی حکومت عوامی حمایت سے اور زیادہ محروم ہوگئی۔

-11 گنگا طیارے کا اغوا **(Hijacking of Ganga Aircraft)**

بھارت نے ایک اپنا گنگا طیارہ اغوا کر کے لاہور پہنچا دیا جس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پاکستان پر عائد کر دی گئی۔ اس کے بعد اس طیارے کے اغوا کو بہانہ بنا کر بھارت نے مغربی پاکستان کا مشرقی پاکستان سے فضائی رابطہ منقطع کر دیا۔ یہ محض ایک سازش تھی جو صرف مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لیے تیار کی گئی تھی۔ فضائی رابطے کے خاتمے سے مشرقی پاکستان کو اسلحہ کی ترسیل رک گئی۔

-12 علاقائی جماعتوں کی کامیابی *(Success of Regional Parties)*

1970ء کے انتخابات میں دونوں صوبوں میں کسی بھی بڑی جماعت کو نشستیں حاصل نہ ہوسکیں۔ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ مشرقی پاکستان میں اور بھٹو کی پیپلز پارٹی مغربی پاکستان میں کامیاب ہوئیں۔ سرحد اور بلوچستان میں ولی خاندان کی نیپ اور جمیعت العلمائے اسلام (ہزاروی گروپ) کامیاب رہا۔ کوئی پارٹی بھی قومی پارٹی کہلانے کی مستحق نہ تھی کہ جس کو اقتدار سونپا جاتا۔ عوامی لیگ کو نمایاں اکثریت حاصل ہوئی جس کو اقتدار دینے میں بھٹو نے لیت و لعل کیا اور اتحاد کی فضا مکدر ہوگئی۔

-13 بھارت کی فوجی مداخلت *(Bharat's Military Inteference)*

بھارت کی مسلسل خواہش تھی کہ پاکستان کی سالمیت کو کسی نہ کسی بہانے سے کمزور کیا جائے۔ بھارت نے اپنی سرحدوں کی حفاظت کا بہانہ بنا کر "مکتی باہنی" کے نام پر تخریب کار مشرقی پاکستان میں داخل کر دیے اور 22 نومبر 1971ء کو مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ فضائی تحفظ کی عدم موجودگی میں محصور پاکستانی فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اسے مجبوراً ہتھیار ڈالنا پڑے جس سے ملک دولخت ہوگیا۔

-14 بڑی طاقتوں کی سازشیں *(Conspiracies of Big Powers)*

بھارت نے روس کے ساتھ بیس سالہ معاہدہ پر دستخط کیے۔ اس معاہدے نے جنوب مشرقی ایشیا میں روس و بھارت کے مفادات کو یکجا کر دیا۔ بھارت کو روس سے ضروری کارروائی کرنے کے لیے حسب ضرورت سامان اور تکنیکی امداد حاصل ہوگئی۔ اس کے علاوہ امریکہ بھی ان سازشوں میں شامل ہوگیا جس کا ثبوت یہ ملا کہ جب اسرائیل نے امریکی ساخت کا اسلحہ بھارت کو فراہم کیا تو امریکہ معترض نہ ہوا لیکن جونہی سعودی عرب اور اردن نے پاکستان کو اسلحہ دینے کی خواہش ظاہر کی تو امریکہ نے منع کر دیا۔ بہر حال مشرقی پاکستان کی علیحدگی بڑی طاقتوں کے گٹھ جوڑ کا نتیجہ بھی تھی۔

1973ء کے آئین کے خدوخال
(Salient Features of Constitution of 1973)

پس منظر (Background)

1970ء میں منتخب شدہ قومی اسمبلی کو ملک کے لیے نیا آئین مرتب کرنا تھا۔ قومی اسمبلی نے اس مقصد کے لیے 17 اپریل کو الگ آئین ساز کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی میں تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے شامل تھے۔ اس کمیٹی کا سربراہ ماہر قانون میاں محمود علی قصوری کو مقرر کیا گیا۔ ان کے استعفے کے بعد عبدالحفیظ پیرزادہ کو سربراہی سونپی گئی۔ کمیٹی ہٰذا نے آئین سازی کا کام 20 دسمبر 1972ء تک مکمل کر لیا۔

اپوزیشن کے اعتراضات اور مخالفت کی بنا پر کئی مواقع پر مشکلات پیدا ہوئیں۔ بالآخر تمام سیاسی جماعتوں کی متفقہ رائے سے قومی اسمبلی نے 10 اپریل 1973ء کو آئینی مسودے کی منظوری دے دی۔ 12 اپریل 1973ء کو صدر مملکت نے اسے منظور کر دیا۔ 14 اگست 1973ء کو نئے آئین کا نفاذ عمل میں آیا۔ اس آئین کے اہم خدوخال درج ذیل ہیں۔

1- افتتاحیہ (Preamble)

پہلے دونوں آئینوں کا آغاز بھی قرارداد مقاصد سے ہوا تھا۔ 1973ء کے آئین میں بھی قرارداد مقاصد کو افتتاحیہ کے طور پر شامل کیا گیا جس کے مطابق حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ عوام کے نمائندے اپنے اختیارات کا استعمال مقدس امانت کے طور پر قرآن وسنت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کریں گے۔ بعد میں ایک ترمیم کے ذریعے اسے آئین کا باقاعدہ حصہ قرار دے دیا گیا۔

2- تحریری آئین (Written Constitution)

سابقہ آئینوں کی طرح یہ آئین بھی تحریری نوعیت کا ہے۔ یہ زیادہ ضخیم اور جامع ہے جو 280 دفعات، 12 حصوں اور 6 گوشواروں پر مشتمل ہے۔ ان گوشواروں میں مختلف فوجی حکومت کے حکم ناموں کو بھی تحفظ بخشا گیا ہے۔

3- استوار آئین (Semi Rigid Constitution)

1973ء کا آئین نیم استوار نوعیت کا ہے۔ اس میں ترمیم کا طریق کار نہ زیادہ پیچیدہ ہے اور نہ سہل۔ 1985ء کی آئینی ترمیم سے قبل آئین میں ترمیم کرنا قدرے آسان تھا۔ قومی اسمبلی کی 2/3 اکثریت اور سینٹ کی عام اکثریت آئین میں ترمیم کرنے کی مجاز تھی۔ لیکن اب دونوں ایوانوں کی 2/3 اکثریت کے بغیر منظوری ممکن نہیں۔ اگر کسی مسودے کا تعلق کسی علاقائی معاملے یا ردوبدل سے ہو تو قومی اسمبلی سے پہلے متعلقہ صوبائی اسمبلی کے دو تہائی ارکان کی حمایت سے منظوری ضروری ہے۔

4- وفاقی آئین (Federal Constitution)

سابقہ آئینوں کی طرح 1973ء کے آئین میں بھی پاکستان کو وفاقی مملکت قرار دیا گیا ہے۔ آئین کے تحت وفاق پاکستان چار صوبوں، وفاقی دارالحکومت اور اس سے ملحقہ علاقے وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات اور صوبوں سے ملحقہ قبائلی علاقوں پر مشتمل ہے۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات دو فہرستوں میں منقسم ہیں۔ ایک وفاقی فہرست اور دوسری مشترکہ امور کی فہرست۔ باقی ماندہ اختیارات صوبوں کو تفویض کر دیے گئے ہیں۔ وفاقی امور کے بارے میں پارلیمنٹ قانون سازی کرتی ہے جبکہ

مشترکہ امور کے بارے میں دونوں حکومتیں قانون بنانے کی مجاز ہیں۔ تمام وفاقی اکائیوں کو مساوی حیثیت دی گئی ہے۔ سینٹ میں بھی سب صوبوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہے۔

5- پارلیمانی آئین (Parliamentary Constitution)

1973ء کے آئین کے تحت ملک میں پارلیمانی نظام رائج کیا گیا۔ ملک کا سربراہ صدر اور حکومت کا سربراہ وزیر اعظم ہوتا ہے۔ صدر کو پارلیمنٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیاں منتخب کرتی ہیں۔ جبکہ وزیر اعظم کا انتخاب قومی اسمبلی کی اکثریت سے عمل میں آتا ہے۔ قومی اسمبلی کی میعاد پانچ سال مقرر کی گئی ہے۔ آئین کی سترھویں ترمیم کے ذریعے صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن پیدا کر دیا گیا ہے۔ تاہم صدر کو فوقیت حاصل ہے۔ وزیر اعظم صدر مملکت کو قومی اسمبلی کے توڑنے کا مشورہ بھی دے سکتا ہے۔

6- آئین کی بالادستی (Supermacy of Constitution)

ہمارے ملک میں دو بار نافذ شدہ آئین منسوخ کیے جا چکے ہیں۔ اس لیے موجودہ آئین کو مستقل نوعیت کا آئین بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص غیر آئینی طریقے سے موجودہ آئین توڑے گا یا توڑنے کی کوشش کرے گا تو اس پر سنگین غداری کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ اور پارلیمنٹ اس کے لیے سزا تجویز کرے گی۔

7- دو ایوانی مقننہ (Bicameral Legislature)

موجودہ آئین کے مطابق مرکزی قانون ساز ادارے کا نام مجلس شوریٰ ہے۔ جو دو ایوانوں پر مشتمل ہے۔ ایوانِ بالا سینٹ اور ایوانِ زیریں قومی اسمبلی کہلاتا ہے۔ سینٹ میں صوبوں کو مساوی نمائندگی دی گئی ہے اور وہ مستقل ایوان ہے جس کی میعاد چھے سال ہے۔ ارکان کی تعداد 104 ہے۔ قومی اسمبلی عوام کی نمائندگی کرتی ہے جس کا انتخاب براہ راست طریقے سے عوام کرتے ہیں اور پانچ سال کے لیے چنی جاتی ہے۔ قومی اسمبلی 342 ارکان پر مشتمل ہے جو آبادی کی بنیاد پر منتخب کیے جاتے ہیں۔ مجلس شوریٰ کے کل ممبران کی تعداد 446 ہے۔

8- اسلامی آئین (Islamic Constitution)

پاکستان کے آئین کو اس لحاظ سے اسلامی آئین کہا جاتا ہے کہ اس میں مملکت کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا گیا ہے۔ قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار کیا گیا ہے۔ پاکستان کا مکمل نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے۔ اس آئین کا مقصد شہریوں میں اسلامی طرز زندگی کو ترویج اور ترقی دینا ہے۔ ریاست زکوٰۃ اور اوقاف کو منظم کرنے کے لیے کوشش کرے گی، سود کے خاتمہ کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔ صدر اور وزیر اعظم کے لیے مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ ختمِ نبوت پر ایمان رکھتے ہوں۔

9- آزاد خود مختار عدلیہ (Independent Judiciary)

1973ء کے آئین میں آزاد عدلیہ کی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ ججوں کا تقرر صدرِ پاکستان کے ہاتھ میں ہے جبکہ ان کی برطرفی سپریم جوڈیشل کونسل کی سفارشات پر صدر ہی کرتا ہے۔ ججوں کو معقول معاوضہ اور ملازمت کا تحفظ حاصل ہے۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا گیا ہے۔ جج اپنے فرائض منصبی بغیر کسی خوف یا دباؤ سے آزاد ہو کر سر انجام دیتے ہیں۔

10- استحصال کا خاتمہ (End of Expliotation)

ارتکاز دولت اور دیگر معاشی برائیوں کے خاتمے کی خاطر آئین میں ایک متوازن اقتصادی نظام کے قیام کا عزم کیا گیا ہے۔ بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی حکومت کا اولین فریضہ ہے۔ اس مقصد کی خاطر پرائیویٹ سیکٹر اور پبلک سیکٹر دونوں کو تحفظ دیا گیا ہے۔ مجلس شوریٰ قانون سازی کے ذریعے نجی ملکیت کی حدود کا تعین کرنے کی مجاز ہے۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی املاک کو بحق سرکار ضبط کیا جاسکتا ہے۔ ہر کسی کے ساتھ قانون کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ ہر فرد کو اس کے کام کے مطابق اجرت دی جائے گی۔ ریاست ہر طرح کے استحصال کا خاتمہ کرے گی۔

11- قومی زبان (National Language)

اردو پاکستان کی قومی زبان ہوگی۔ تاہم صوبائی حکومتوں کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی علاقائی زبانوں کی ترقی اور تعلیم کا بندوبست کرسکتی ہیں۔ پندرہ سال کے عرصے میں اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج کرنے کے انتظامات کیے جانے تھے جس دوران انگریزی زبان بطور سرکاری زبان استعمال ہونی تھی مگر آج تک ایسا نہ ہوسکا۔

12- بنیادی حقوق (Fundamental Rights)

آئین میں شہریوں کو تمام بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو بنیادی حقوق کے منافی کوئی قانون بنانے کی اجازت نہ ہوگی۔ عدالت عالیہ ایسے قانون کو کالعدم قرار دینے کی مجاز ہوگی۔ حکومت کو اس بات کا پابند کردیا گیا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو مذہبی، نسلی، لسانی اور نسبی امتیازات کے بغیر یکساں مواقع فراہم کرے تاکہ لوگ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکیں۔

13- آئینی ادارے (Constitutional Institutions)

مرکزی اور صوبائی مفادات اور معاملات کی ترقی کے لیے آئین نے کئی ایک ادارے بھی تشکیل دیے ہیں مثلاً مشترکہ مفادات کی کونسل، قومی اقتصادی کونسل، قومی مالیاتی کمیشن، الیکشن کمیشن اور وفاقی محتسب وغیرہ۔ یہ ادارے آئین کی حدود کے اندر اپنے فرائض منصبی سرانجام دینے کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور ملکی مفادات کو مقدم رکھتے ہیں۔

1973ء کے آئین کی اسلامی دفعات
(Islamic Provisions of 1973 Constitution)

1973ء کے آئین کی اسلامی بنیاد قرارداد مقاصد ہے۔ اس آئین میں ان تمام اسلامی دفعات کو شامل کیا گیا ہے جو پہلے آئینوں میں موجود تھیں اور ان کے علاوہ مزید اسلامی دفعات کا اضافہ بھی کیا گیا۔ اس لیے یہ آئین زیادہ اسلامی ہے۔

اسلامی دفعات حسب ذیل ہیں:

1- اللہ تعالیٰ کی حاکمیت (Sovereignty of Allah)

1973ء کے آئین میں قرارداد مقاصد کو ابتدائیہ میں شامل کیا گیا ہے جس کے مطابق کل کائنات کا حاکم مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اقتدار اعلیٰ اسی کی ذات کو حاصل ہے۔ پاکستان کے عوام اقتدار اعلیٰ کو مقدس امانت سمجھتے ہوئے قرآن وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کریں گے۔

-2 سرکاری مذہب (State Religion)

آئین میں درج ہے کہ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔اس بات کو پہلی بار آئین میں تحفظ دیا گیا ہے۔

-3 ملک کا نام (Name of Country)

سابقہ آئینوں کی طرح اس آئین میں بھی ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھا گیا ہے۔

-4 صدر اور وزیر اعظم (President and Prime Minister)

آئین کے تحت اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ صدر اور وزیر اعظم دونوں مسلمان ہوں گے۔ان پر یہ بھی پابندی عائد ہے کہ ان کا اس نظریہ پر پختہ ایمان ہو جس کی بنیاد پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔دونوں اپنے عہدوں کا حلف اٹھاتے ہوئے اس بات کا اقرار کریں گے کہ وہ توحید اور ختم نبوت پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور وہ اسلامی نظریے کے تحفظ کی کوشش کریں گے۔

-5 مسلمان کی تعریف (Definition of Muslim)

1973ء کے آئین میں پہلی مرتبہ مسلمان کی تعریف شامل کی گئی ہے جس کی رو سے توحید، رسالت، قیامت اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرنا لازمی ہے۔

-6 اسلامی قانون سازی (Islamic Legislation)

موجودہ قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنایا جائے گا اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہو۔

-7 اسلامی اُصول (Islamic Principles)

آئین میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق پاکستان کے عوام جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف پر مبنی اسلامی نظام قائم کریں گے۔

-8 اسلامی طرز زندگی (Islamic Way of Life)

ایسے حالات مہیا کیے جائیں گے کہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں اسلام کے مطابق ڈھال سکیں۔

-9 اسلامی تعلیمات (Islamic Teachings)

آئین میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ قرآن پاک اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینے کے لیے کوششیں کی جائیں گی۔

-10 سماجی برائیوں کا خاتمہ (Eradication of Social Evils)

عصمت فروشی، جوا، غیر اخلاقی لٹریچر کی اشاعت اور فروخت پر پابندی عائد کی جائے گی۔اس کے علاوہ طبی مقاصد اور غیر مسلموں کے مذہبی مواقع کے علاوہ شراب نوشی پر بھی پابندی ہوگی۔نیز ملکی معیشت کو سود سے پاک کرنے کا بندوبست کیا جائے گا۔

-11 اسلامی ادارے (Islamic Institutions)

حکومت زکوٰۃ اور عشر کا نظام قائم کرے گی۔اور اوقاف و مساجد کو صحیح خطوط پر منظم کیا جائے گا۔اس کی وضاحت آئین کی رہنما پالیسی کے اصولوں میں شامل کی گئی ہے۔

12- عربی کی تعلیم *(Arabic Education)*

عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ اس کی ترویج کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولیات فراہم کی جائیں گی۔

13- قرآن پاک کی صحیح طباعت *(Correct Publication of Quran)*

قرآن پاک کی اغلاط سے پاک طباعت اور اس کی صحیح اور من وعن اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا۔

14- اسلامی نظریے کا تحفظ (Protection of Islamic Ideology)

آئین میں صدر، وزیرِ اعظم اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں (ممبران پارلیمنٹ، صوبائی اسمبلیوں کے ممبران، گورنرز، وزرائے اعلیٰ اور وفاقی وصوبائی وزراوغیرہ) کو اپنے عہدوں کا حلف اٹھاتے وقت یہ عہد کرنا پڑتا ہے کہ وہ اسلامی نظریے کے تحفظ کے لیے جو قیامِ پاکستان کی بنیاد ہے، مکمل جدوجہد کریں گے۔

15- اتحادِ عالمِ اسلامی *(Unity of Muslim World)*

پاکستان اسلامی اخوت کی بنا پر مسلم دنیا سے اچھے تعلقات استوار کرے گا کیونکہ پاکستان خود اسلامی نظریے کی بنا پر معرض وجود میں آیا۔ بین الاقوامی تنازعات کو پُر امن ذرائع سے حل کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ بین الاقوامی امن وسلامتی کے قیام کے لیے جدوجہد کی جائے گی۔

16- اسلامی نظریاتی کونسل *(Council of Islamic Ideology)*

اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں لایا جائے گا جس کے اراکین کی تعداد آٹھ سے بیس تک متعین کی گئی ہے جو اسلامی فقہ، معیشت اور سیاست کے ماہرین ہوں گے۔ یہ قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانے میں صدر اور قانون ساز اداروں کی راہنمائی کرے گی اور موجودہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا کام بھی کونسل کے سپرد ہے۔

مجلسِ شوریٰ *(Parliament)*

*1973*ء کے آئین کے مطابق مقننہ (مجلسِ قانون ساز) کا نام پارلیمنٹ تھا لیکن *1985*ء کی ترمیم کے مطابق اس کا نام مجلس شوریٰ رکھا گیا۔ یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہے۔ ایوانِ بالا سینٹ اور ایوانِ زیریں قومی اسمبلی کہلاتا ہے۔ سینٹ صوبوں کی نمائندگی جبکہ قومی اسمبلی عوام کی نمائندگی کرتی ہے۔

سینٹ *(Senate)*

سینٹ مجلس شوریٰ کا ایوانِ بالا ہے جو چاروں صوبوں کی برابری کی بنیاد پر نمائندگی کرتا ہے۔

1- تشکیل *(Composition)*

سینٹ کل *87* ارکان پر مشتمل ادارہ تھا۔ آئینی پیکج ''لیگل فریم ورک آرڈر'' *(LFO)* مجریہ *2002*ء کے تحت سینٹ کی

تعداد میں اضافہ کیا گیا ہے اور اس کی تعداد 87 سے بڑھا کر 100 کر دی گئی ہے۔ موجودہ تعداد 104 ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

جنرل نشستیں

ہر صوبہ سے = 14

کل = 14×4 = 56

وفاق کے زیر انتظام علاقوں FATA سے = 08

وفاقی دارالحکومت کے لیے مخصوص = 02

خواتین کے لیے مخصوص نشستیں

ہر صوبہ سے = 4

کل = 4×4 = 16

وفاقی دارالحکومت کے لیے مخصوص = 01

ٹیکنوکریٹس کے لیے مخصوص نشستیں

ہر صوبہ سے = 4

کل = 4×4 = 16

وفاقی دارالحکومت کے لیے مخصوص = 01

اقلیتوں کے لیے مخصوص = 04

کل نشستیں = 4+1+16+1+16+2+8+56 = 104

2- اہلیت (Qualification)

سینٹ کے امیدوار کے لیے لازمی ہے کہ:

i- وہ کم از کم تیس سال کا ہو۔

ii- اس کا نام کسی انتخابی حلقے میں درج ہو۔

iii- وہ پارلیمنٹ کی طرف سے متعین کردہ شرائط پوری کرتا ہو۔

iv- وہ پاکستان کا شہری ہو۔ پاگل اور دیوانہ نہ ہو۔

v- وہ کسی سرکاری یا نیم سرکاری عہدے پر فائز نہ ہو۔ متقی اور پرہیزگار ہو۔

vi- نظریۂ پاکستان کا مخالف نہ ہو۔

-3 انتخاب (Election)

صوبائی اسمبلیاں واحد قابلِ انتقال ووٹ یعنی ہیئر نظام (Hare System) کے ذریعے اپنے نمائندوں کو منتخب کریں گی۔ باقی دیگر نشستوں کا انتخاب قومی اسمبلی کے ممبران کرنے کے مجاز ہوں گے۔

-4 میعاد (Term)

سینٹ ایک مستقل ایوان ہے۔ اس کو تحلیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ارکان چھ سال کے لیے منتخب کیے جاتے ہیں۔ ہر تین سال بعد آدھے ارکان ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ ان کی جگہ نئے رکن چُن لیے جاتے ہیں۔

-5 اجلاس (Session)

سینٹ کے سال میں تین اجلاس منعقد ہونا ضروری ہیں۔ اس کے کام کرنے کی مدت 130 دن مقرر ہے۔ دو اجلاسوں کے درمیان 120 دن سے زیادہ وقفہ نہیں ہونا چاہیے۔ ایوان کا اجلاس صدر طلب کرنے کا مجاز ہے۔ وہ دونوں ایوانوں کے اجلاس بھی طلب کر سکتا ہے۔ سینٹ کا چیئرمین ایوان کے ایک چوتھائی ارکان کی درخواست پر بھی 14 دن کے لیے اجلاس طلب کر سکتا ہے۔

-6 کورم (Quorum)

سینٹ کے ارکان کی کم سے کم تعداد جس کے بغیر اجلاس منعقد نہیں ہو سکتا کورم کہلاتا ہے۔ سینت کا کورم ایک چوتھائی (1/4) ارکان پر مشتمل ہے۔

-7 ہیڈکوارٹر (Headquarter)

سینٹ کا اجلاس پارلیمنٹ ہاؤس اسلام آباد میں منعقد کیا جاتا ہے۔ یہی اس کا ہیڈکوارٹر شمار کیا جاتا ہے۔

-8 مراعات (Privileges)

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے اراکین کو یکساں مراعات میسر ہیں۔ اجلاس کے دوران کسی رکن کو عام صورتوں میں گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ اسے ایوان کے اندر اپنی رائے کے اظہار کا پورا حق حاصل ہے۔ اس کی رائے کے خلاف کوئی عدالتی کارروائی ممکن نہیں ہے۔ تمام ارکان کو معقول تنخواہ، الاؤنس، رہائش اور دیگر مراعات حاصل ہیں۔

-9 چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین کا انتخاب (Election of Chairman & Deputy Chairman)

سینٹ کی کارروائی جاری رکھنے کے لیے اس کے ارکان اپنے میں سے چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین کا انتخاب کرتے ہیں۔ چیئرمین سینٹ کے اجلاس کی صدارت کرتا ہے جبکہ ڈپٹی چیئرمین اس کی غیر حاضری میں اجلاس کی صدارت کرنے کا مجاز ہے۔ یہ تین سال کے لیے منتخب کیے جاتے ہیں۔ سینٹ کا چیئرمین صدر کی عدم موجودگی میں قائم مقام صدر کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ باقی یہ وہی فرائض سرانجام دینے کا مجاز ہے جو سپیکر قومی اسمبلی ادا کرتا ہے۔

قومی اسمبلی (National Assembly)

قومی اسمبلی پارلیمنٹ کا ایوانِ زیریں کہلاتا ہے جو عوام کا منتخب کردہ ایوان ہے اور عوام کی نمائندگی کرتا ہے۔

1- تشکیل (Composition)

قومی اسمبلی کے ارکان کی تعداد 342 ہے۔ نشستوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔

نام صوبہ	جنرل نشستیں	خواتین	کل
پنجاب	148	35	183
سندھ	61	14	75
خیبرپختونخوا	35	8	43
بلوچستان	14	3	17
فاٹا (FATA)	12		12
وفاقی دارالحکومت	2		2
اقلیتوں کے لیے مخصوص			10
کل	272	70	342

2- اہلیت (Qualification)

قومی اسمبلی کا امیدوار بننے کے لیے لازم ہے کہ:

i- وہ پاکستان کا شہری ہو۔

ii- سرکاری اور نیم سرکاری یا کسی اور منافع بخش عہدے پر فائز نہ ہو۔

iii- اس کا نام ووٹر لسٹ میں درج ہو۔

iv- وہ پاگل اور دیوالیہ نہ ہو، وہ متقی اور پرہیزگار اور اعلیٰ سیرت کا مالک ہو اور نظریۂ پاکستان کا مخالف نہ ہو۔

v- اس کی عمر کم از کم 25 سال ہو۔

3- رائے دہندگان کی شرائط (Conditions for voters)

i- رائے دہندہ پاکستان کا شہری ہو۔

ii- اس کی عمر 18 سال ہو۔

iii- اس کا نام انتخابی فہرست میں درج ہو۔

iv- اسے کسی مجاز عدالت نے دماغی طور پر مفلوج قرار نہ دیا ہو۔

4- انتخاب (Election)

قومی اسمبلی کے ارکان کو متعلقہ انتخابی حلقے کے رائے دہندگان (Voters) براہِ راست طریقے سے منتخب کرتے ہیں۔

-5 نشست سے دستبرداری (Withdrawl from Seat)

اگر کوئی رکن ایک سے زائد نشستوں پر منتخب ہو جائے تو وہ صرف ایک نشست رکھ سکتا ہے۔ باقی نشستوں سے اسے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اگر کوئی رکن ایوان کی اجازت کے بغیر ایوان کے اجلاس سے مسلسل چالیس روز تک غیر حاضر رہے تو ایوان اس کی نشست خالی قرار دے سکتا ہے۔ کوئی رکن سپیکر کو اپنا استعفیٰ پیش کر کے بھی اپنی رکنیت چھوڑ سکتا ہے۔

-6 اجلاس (Session)

قومی اسمبلی کے سال میں کم از کم تین اجلاس ہونا ضروری ہیں۔ اس کے کام کرنے کی میعاد 130 دن ہے۔ دو اجلاسوں کے درمیان 120 دن سے زیادہ وقفہ ممکن نہیں۔ قومی اسمبلی کے ارکان کی 1/4 تعداد کی درخواست پر سپیکر اجلاس طلب کر سکتا ہے۔ یہ اجلاس صرف سپیکر ہی ملتوی کرے گا۔ صدر کو پارلیمنٹ کے ایک ایوان یا دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس بلانے کا اختیار ہے۔

-7 میعاد (Term)

قومی اسمبلی پانچ سال کی مدت کے لیے منتخب کی جاتی ہے۔ پانچ سال گزرنے پر اسمبلی خود بخود ختم تصور ہوگی۔ لیکن اس کو اس کی مقررہ مدت سے پہلے بھی صدر خود یا وزیر اعظم کے مشورے پر تحلیل کر سکتا ہے۔

-8 کورم (Quorum)

اگر کسی موقع پر سپیکر کی توجہ اس طرف مبذول کروائی جائے کہ ایوان میں حاضر ارکان کی تعداد کل ارکان کی ایک چوتھائی تعداد سے کم ہے تو سپیکر اس وقت تک اجلاس ملتوی کر دے گا جب تک کہ کورم پورا نہ ہو جائے۔ یعنی ایک چوتھائی ارکان کا ایوان میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

-9 ہیڈ کوارٹر (Headquarter)

قومی اسمبلی کے اجلاس کی کارروائی کے لیے ایک مستقل ہیڈ کوارٹر اسلام آباد میں واقع ہے جسے پارلیمنٹ ہاؤس کہا جاتا ہے۔

-10 مراعات (Privileges)

دونوں ایوانوں کے ممبران کی مراعات یکساں و مساوی ہیں جن کو سینٹ کے ضمن میں پیش کر دیا گیا ہے۔

-11 سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کا انتخاب (Election of Speaker and Deputy Speaker)

قومی اسمبلی کی کارروائی جاری رکھنے کے لیے سب سے پہلے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کو منتخب کیا جانا ضروری ہے۔ یہ دونوں قومی اسمبلی کے ارکان ہوتے ہیں۔ جن کو ممبران خود منتخب کرتے ہیں۔ سپیکر اجلاس کی صدارت کرتا ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں یہ فرائض ڈپٹی سپیکر ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

سپیکر کے فرائض (Functions)

-i سپیکر قومی اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کرتا ہے۔ ایوان میں نظم و ضبط برقرار رکھنے کا ذمہ دار ہے اور پوائنٹ آف آرڈر پر فیصلہ دیتا ہے۔

-ii ایوان میں تمام تحریکات اور سوالات سپیکر کے توسط سے پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ سوالات وزراء سے پوچھے جاتے ہیں۔

iii- قانون سازی کے لیے تمام بل سپیکر کی اجازت سے پیش ہوتے ہیں۔ کسی بل کو مالی بل قرار دینا سپیکر کے فرائض میں شامل ہے۔

iv- سپیکر اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مجاز ہے۔ اور وہ اجلاس ملتوی بھی کر سکتا ہے۔ کورم پورا نہ ہونے کی صورت میں اجلاس ختم کرنے کا اعلان کرتا ہے۔

v- سپیکر اسمبلی کے قواعد وضوابط کی تشریح و وضاحت کرتا ہے اور قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کرنے والے ارکان کے خلاف انضباطی کارروائی کرتا ہے۔

vi- سپیکر کا اپنا ووٹ نہیں ہوتا۔ جب کسی مسودے پر ووٹ برابر ہو جائیں تو وہ فیصلہ کن ووٹ (Casting Vote) استعمال کرتا ہے۔

پارلیمنٹ کے اختیارات (Powers of Parliament)

پاکستان کی پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ) قانون ساز ادارہ ہے جس کو قانون سازی کے علاوہ اور بھی مختلف اختیارات تفویض کیے گئے ہیں جن کا جائزہ حسب ذیل ہے۔

1- قانون سازی کے اختیارات (Legislative Powers)

قانون سازی کے میدان میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں (سینٹ+قومی اسمبلی) یکساں اختیارات کے حامل ہیں اور ایک جیسے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ پارلیمنٹ ملک کا قانون ساز ادارہ ہے۔ یہ مرکزی اور مشترکہ امور کی فہرست میں شامل امور کے بارے میں قانون سازی کرتا ہے۔

قانون سازی کے لیے کوئی بل کسی بھی ایوان میں پہلے پیش ہو سکتا ہے۔ اس پر بحث وتمحیص ہوتی ہے۔ رائے شماری کرائی جاتی ہے۔ پھر دوسرے ایوان میں اسی کارروائی سے گزرتا ہے۔ جب دونوں ایوان کسی بل کو منظوری دے دیں تو صدر کی منظوری سے وہ بل قانونی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر بل کے متعلق کسی ایوان میں اختلاف پیدا ہو جائے تو صدر دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس طلب کر سکتا ہے۔ صدر چاہے تو استصواب رائے بھی کروا سکتا ہے۔ صدر کو 30 دن کے اندر بل کی منظوری دینا ہوتی ہے۔ لیکن مالیاتی بل پہلے قومی اسمبلی میں پیش ہونا ضروری ہیں۔ پارلیمنٹ ان علاقوں کے لیے قانون سازی کرتی ہے جو پاکستان کی حدود میں شامل ہیں۔ بعض اوقات صوبوں کی درخواست پر صوبوں کے لیے قانون سازی بھی کرتی ہے۔

2- انتظامی اختیارات (Executive Powers)

وفاقی انتظامیہ وزیراعظم اور وفاقی وزرا پر مشتمل ہوتی ہے۔ وزیراعظم قومی اسمبلی کا رکن ہوتا ہے اور کابینہ کی اکثریت کا تعلق بھی قومی اسمبلی سے ہوتا ہے جبکہ ایک چوتھائی وزرا سینٹ سے لینا ضروری ہیں۔ انتظامیہ کا تعلق چونکہ دونوں ایوانوں سے ہوتا ہے اس لیے ایوانوں کے اجلاس میں کابینہ کے ارکان شرکت کرتے ہیں۔ مقننہ انتظامیہ کی نگرانی کرتی ہے۔ اس لیے مختلف طریقوں سے اس کا احتساب کرتی ہے مثلاً سوالات، تنقید، تحریک ملامت، تحریک التوا، قراردادیں، تحریک عدم اعتماد وغیرہ، ان طریقوں سے اہم مسائل کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ لہٰذا انتظامیہ مقننہ کی نگرانی میں رہتی ہے۔

3- عدالتی اختیارات (Judicial Powers)

آئین کے مطابق پارلیمنٹ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے ججوں کی تعداد کا تعین کرتی ہے۔ ان کے لیے قواعد وضوابط تشکیل دیتی ہے۔ ان کی تنخواہ اور مالی مراعات کا تعین بھی پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔

پارلیمنٹ صدر مملکت کو مواخذہ کے ذریعے اس کی مقررہ مدت سے پہلے اپنے عہدے سے برطرف کر سکتی ہے۔ صدر کے خلاف مواخذہ (Impeachment) کی تحریک پیش ہونے پر پارلیمنٹ ایک عدالت کے طور پر تحقیقات کرتی ہے۔ قصور ثابت ہونے پر قانون کے مطابق سزا تجویز کرتی ہے۔ پارلیمنٹ ذہنی یا جسمانی معذوری اور سنگین بدعنوانی کے الزام میں صدر کے خلاف مواخذہ دائر کر سکتی ہے۔ مواخذہ کامیاب ہونے پر صدر کو اپنے عہدے سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔

4- انتخابی اختیارات (Electoral Powers)

پارلیمنٹ کے دونوں ایوان صوبائی اسمبلیوں کے ساتھ مل کر صدر مملکت کا انتخاب عمل میں لاتے ہیں۔ سینٹ، چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین کو منتخب کرتی ہے جبکہ وزیر اعظم، سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کا انتخاب قومی اسمبلی کے ہاتھ میں ہے۔

5- مالیاتی اختیارات (Financial Powers)

قومی اسمبلی کو مالیاتی اختیارات میں برتری حاصل ہے۔ تمام مالیاتی مسودات پر بحث کا آغاز قومی اسمبلی میں ہوتا ہے۔ نئے ٹیکس لگانے کی مجاز ہے۔ پرانے ٹیکسوں کو ختم کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ سالانہ بجٹ وفاقی حکومت کی نگرانی میں تیار ہوتا ہے۔ جب اسے قومی اسمبلی میں پیش کیا جاتا ہے تو اراکین کھل کر بحث کرتے ہیں۔ وہ اس پر تنقید اور ترامیم پیش کرتے ہیں۔ تب کہیں ان مسودات کو حتمی منظوری حاصل ہوتی ہے۔ قومی اسمبلی کی منظوری کے بعد مالیاتی مسودات سینٹ کی منظوری کے بغیر صدر کو آخری منظوری کے لیے بھیج دیے جاتے ہیں۔ گویا قومی اسمبلی کا مالیات پر مکمل کنٹرول ہے۔ قومی اسمبلی مطالبات زر میں کمی کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔

6- آئین میں ترمیم (Amendment in the Constitution)

آئین میں ترمیم کے مسودے کا آغاز پہلے قومی اسمبلی میں ہوتا ہے۔ اگر قومی اسمبلی کے دو تہائی ارکان مسودے کی منظوری دے دیں تو مسودہ سینٹ کے زیرِ غور آئے گا۔ اگر دونوں ایوان اس کو دو تہائی اکثریت سے منظور کر لیں تو صدر کی منظوری کے لیے پیش کیا جائے گا۔ آئین میں ترمیم کے لیے دونوں ایوانوں کی منظوری لازمی ہے اور صدر کی منظوری سے ترمیم نافذ العمل ہوگی۔ اگر کسی ترمیم سے صوبائی حدود متاثر ہوں تو متعلقہ صوبوں کی رضامندی ضروری ہے۔

7- شکایات کا ازالہ (Ventilation of Grievances)

دونوں ایوانوں کے اراکین براہِ راست اور بالواسطہ طور پر عوام کے نمائندے ہیں اس لیے دونوں ایوان عوام کے مسائل حل کرتے ہیں۔ وہ اپنے سوالات اور تحریکات کے ذریعے حکومت کو متوجہ کرتے ہیں۔ وزرا بھی چونکہ عوام کے نمائندے ہیں اس لیے وہ عوامی شکایات اور مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے اراکین کو حکومت کی طرف سے ترقیاتی فنڈز بھی مہیا کیے جاتے ہیں جو وہ اپنے حلقوں کی ترقی پر خرچ کرتے ہیں۔

8- ہنگامی اختیارات (Powers in Emergency)

اگر ملک سیاسی عدم استحکام سے دوچار ہو جائے، ملکی سلامتی خطرے میں پڑ جائے یا بیرونی حملے اور غیر ملکی مداخلت کا خطرہ ہو، امن وامان کی صورت بگڑ جائے، ملک میں معاشی ابتری پیدا ہو جائے تو حکومت ہنگامی حالات کا اعلان کر سکتی ہے۔ اس اعلان کے لیے پارلیمنٹ کی منظوری ضروری ہے۔ پارلیمنٹ چھ ماہ کے لیے ہنگامی حالت کی منظوری دیتی ہے۔

صدر مملکت (President)

اٹھارھویں ترمیم کے بعد 1973ء کے آئین کو دوبارہ پارلیمانی تقاضوں کے مطابق بحال کر دیا گیا۔ صدر کے تمام اختیارات واپس لے لیے گئے ہیں۔ اسے وزیر اعظم کے مشورے کا پابند بنایا گیا ہے۔ اب وہ برائے نام اختیارات کا مالک ہے۔

1- اہلیت (Qualification)

صدر کے لیے حسب ذیل شرائط پر پورا اترنا ضروری ہے:

i- وہ مسلمان ہو۔

ii- اس کی عمر 45 سال سے کم نہ ہو۔

iii- وہ قومی اسمبلی کا رکن ہونے کا اہل ہو۔

iv- وہ حکومت کے کسی منافع بخش عہدے پر فائز نہ ہو۔

v- وہ ذہنی اور جسمانی طور پر مفلوج نہ ہو۔

2- انتخاب (Election)

پاکستان میں صدر کا انتخاب ایک انتخابی ادارہ کرتا ہے۔ انتخابی ادارے کے ارکان میں پارلیمنٹ (سینٹ+قومی اسمبلی) کے تمام ارکان اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان شامل ہیں۔ 1985ء کی آٹھویں ترمیم سے قبل صدر کا چناؤ صرف پارلیمنٹ کے دونوں ایوان کرتے تھے لیکن اب یہ چناؤ مذکورہ انتخابی ادارہ کرتا ہے۔

صدارتی انتخابات چیف الیکشن کمشنر کی زیر نگرانی عمل میں لایا جاتا ہے۔ وہی تاریخ، وقت اور مقام کا تعین کرتا ہے اور پریذائیڈنگ آفیسر کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ پھر مقررہ وقت پر صدر کا انتخاب ہوتا ہے۔ امیدوار اپنے کاغذات نامزدگی جمع کرواتے ہیں۔ ان کی چھان بین کے بعد امیدواروں کا اعلان کیا جاتا ہے۔ چیف الیکشن کمشنر سپیکر کو اسمبلیوں کا اجلاس طلب کرنے کے لیے کہتا ہے۔ رائے دہی کے لیے خفیہ طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ پھر گنتی کا مرحلہ آتا ہے۔ قومی اسمبلی اور سینٹ میں تو گنتی آسان طریقے سے ہوتی ہے۔ لیکن صوبائی اسمبلیوں میں طریقہ ذرا مختلف ہے۔ کیونکہ چاروں صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی تعداد برابر نہیں اس لیے ووٹوں کی تعداد جو کوئی امیدوار ایک صوبائی اسمبلی سے حاصل کرتا ہے، اس کو سب سے چھوٹے صوبے بلوچستان کی کل نشستوں سے ضرب دی جاتی ہے جو جواب حاصل ہوگا، اسے متعلقہ صوبے کی کل نشستوں سے ضرب دی جاتی ہے، مثلاً اگر کوئی پنجاب اسمبلی سے کل ووٹوں (371) میں سے 231 حاصل کرتا ہے تو 231 کو سب سے چھوٹی اسمبلی یعنی بلوچستان کی اسمبلی کے کل 65 ووٹوں کی تعداد سے ضرب دیں گے تو جواب 15015 آتا ہے۔ اب اس کو پنجاب کے کل ووٹوں پر تقسیم کر دیں تو جواب 40 آئے گا۔ اس طرح پنجاب اسمبلی کے امیدوار کے ووٹوں کی تعداد 40 مانی جائے گی۔

$$\frac{\text{پنجاب اسمبلی کے حاصل کردہ ووٹ} \times \text{بلوچستان اسمبلی کے کل ارکان کی تعداد}}{\text{پنجاب اسمبلی کے کل ارکان کی تعداد}}$$

$$\frac{65 \times 231}{371}$$

مندرجہ بالا طریقہ سے چاروں صوبائی اسمبلیوں کے ووٹوں کی تعداداور پارلیمنٹ کے ووٹوں کی تعداد کو جمع کر کے جس امیدوار نے زیادہ ووٹ حاصل کیے ہوں گے۔ وہ صدر کے عہدے کا حق دار ہوگا۔

-3 مواخذہ (Impeachment)

اگر صدر آئین کی خلاف ورزی کرے، اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھائے، سنگین جرم کا ارتکاب کرے اور جسمانی یا دماغی لحاظ سے مفلوج ہو جائے تو اسے اپنی مقررہ مدت سے قبل پارلیمنٹ کے دونوں ایوان اپنے عہدے سے برطرف کرنے کے مجاز ہیں۔ ایسی صورت میں مواخذہ کی تحریک کسی ایوان کی 1/2 حصہ اکثریت سے پیش کی جاتی ہے۔ دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس طلب کیا جاتا ہے۔ صدر کو الزامات کا نوٹس جاری ہوتا ہے۔ نوٹس جاری ہونے کے بعد زیادہ سے زیادہ چودہ دن اور کم سے کم سات دن کے اندر اندر رائے شماری ہوتی ہے۔ اگر دونوں ایوانوں کی 2/3 اکثریت صدر کے خلاف ووٹ دے دے تو صدر کو اپنے عہدے سے الگ ہونا پڑے گا۔

-4 میعاد (Term)

آئین کے آرٹیکل 44 کے مطابق صدر کے عہدے کی میعاد پانچ سال مقرر ہے لیکن وہ مسلسل دو میعادوں سے زیادہ اپنے عہدے پر فائز نہیں رہ سکتا۔

-5 مراعات (Privileges)

- i- دورانِ صدارت صدر کے خلاف کوئی فوجداری یا دیوانی مقدمہ دائر نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی گرفتار کرنا ممکن ہے۔
- ii- صدر کو سرکاری خزانے سے خطیر تنخواہ اور متعدد الاؤنس دیے جاتے ہیں جن کا تعین پارلیمنٹ کرتی ہے۔
- iii- دورانِ صدارت صدر کو آمد و رفت کی سہولیات، ایک عظیم سیکرٹریٹ، عالی شان ایوانِ صدر اور زبردست ظاہری شان و شوکت میسر ہوتی ہے۔

-6 قائم مقام صدر (Acting President)

کسی بھی حالت میں صدر کی عدم موجودگی میں سینٹ کا چیئرمین صدارتی ذمہ داریاں سرانجام دیتا ہے۔ اگر وہ بھی دستیاب نہ ہو تو پھر قومی اسمبلی کا سپیکر صدر بنتا ہے۔

اختیارات (Powers)

صدر ملکی اتحاد کا مظہر ہے اور پوری قوم اسے اپنا نمائندہ تصور کرتی ہے۔ اٹھارھویں ترمیم کے بعد صدر اپنے اختیارات وزیر اعظم کے مشورے کے مطابق استعمال کرے گا جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

-1 انتظامی اختیارات (Executive Powers)

صدر اب صرف انتظامیہ کا سربراہ ہے۔ ذیل میں اس کے انتظامی اختیارات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔

i- قانون کا نفاذ (Execution of Law)

صدر پاکستان، وزیر اعظم اور وفاقی وزرا کی مدد سے پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کو نافذ کرتا ہے۔

ii- کابینہ پر کنٹرول (Control over Cabinet)

صدر وزیر اعظم کے مشورے سے وفاقی وزرا کی تقرری عمل میں لاتا ہے۔ ہر وزیر کو ایک ایک محکمہ تفویض کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی کارکردگی کا وزیر اعظم اور صدر کے سامنے جوابدہ ہے۔ صدر وزرا کی برطرفی کا بھی حق رکھتا ہے۔ 2010ء میں 1973ء کے آئین میں کی گئی اٹھارہویں ترمیم کے تحت پاکستان کے پارلیمانی نظام میں صدر کی گرفت وزرا پر مضبوط نہیں رہی۔

iii- تقرریاں (Appointments)

1973ء کے آئین میں کی گئی اٹھارہویں ترمیم کے تحت صدر پاکستان، وزیر اعظم کے مشورے سے وفاقی وزرا، صوبائی گورنر، عدلیہ کے چیف جسٹس اور جج، مسلح افواج کے چیف، دوسرے ممالک میں سفیر، چیف الیکشن کمشنر، اٹارنی جنرل، آڈیٹر جنرل، مختلف کونسلوں کے چیئرمین اور وفاقی محتسب کی تقرریاں عمل میں لاتا ہے۔ لیکن چیف جسٹس اور ججوں کے بارے میں صدر پارلیمانی کمیٹی اور جوڈیشل کونسل سے مشورہ لے گا۔

iv- امورِ خارجہ پر کنٹرول (Control over Foreign Affairs)

صدر پاکستان بین الاقوامی سطح پر ملک کی نمائندگی کرتا ہے۔ سفیروں کی تقرریاں کرتا ہے۔ دوسرے ممالک سے آئے ہوئے سفیروں کے کاغذات نامزدگی وصول کرتا ہے۔ وہ دوسری ریاستوں کے ساتھ مختلف معاہدات کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ کسی نئی ریاست کو تسلیم کرسکتا ہے اور سفارتی تعلقات منقطع کرسکتا ہے۔ خارجہ پالیسی تشکیل دینے اور اسے نافذ العمل کروانے کا اختیار صدر کو حاصل ہے۔ دیگر ممالک میں ایلچی اور مخصوص نمائندے بھیجنے کا مجاز ہے۔ صدر کا امور خارجہ پر کنٹرول صرف رسمی ہے۔ وزیر اعظم یہ تمام امور خود طے کرتا ہے۔

v- دفاعی امور پر کنٹرول (Control over Defence)

صدر کو دفاعی امور میں کچھ اختیارات حاصل ہیں۔ آئین میں کی گئی اٹھارہویں ترمیم کے تحت وہ، وزیر اعظم کے مشورے سے ہی جائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین اور تینوں مسلح افواج کے سربراہان کی تقرری کرتا ہے۔ فوج کو حرکت میں لاسکتا ہے۔ اعلانِ جنگ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ دیگر ممالک میں فوج بھیجنے کی حیثیت رکھتا ہے۔ دفاعی معاہدات کا اختیار بھی رکھتا ہے۔ لیکن دفاعی پالیسی میں بنیادی کردار وزیر اعظم کا ہے۔

2- قانون سازی کے اختیارات (Legislative Powers)

i- بلوں کی منظوری (Approval of Bills)

پارلیمنٹ جو بل پاس کرتی ہے۔ اس کی آخری منظوری صدر دیتا ہے۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوان جب کسی بل کو پاس کر لیتے ہیں تو پھر وہ بل آخری منظوری کے لیے صدر کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صدر اس کو دوبارہ بحث کے لیے پارلیمنٹ میں بھیج سکتا ہے۔ اگر پارلیمنٹ دوبارہ سادہ اکثریت سے اس بل کو پاس کردے تو پھر وہ خود بخود قانونی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ صدر اگر کسی بل پر 30 دن تک دستخط نہ کرے تو وہ قانون بن جاتا ہے۔

-ii اجلاس بلانا (Calling of Session)

صدر پارلیمنٹ کے ایک ایوان یا دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس بلا سکتا ہے۔ وہ مخصوص اجلاس بلانے کا بھی مجاز ہے۔ صدر اجلاس میں کسی زیر بحث مسئلہ کے بارے بات کرسکتا ہے۔

-iii اسمبلی کی برطرفی (Dissolution of Assembly)

صدر اور گورنر نا گزیر حالات میں بھی اسمبلیاں نہیں توڑ سکتے ہیں کیونکہ اٹھارھویں ترمیم کے بعد ان سے یہ اختیارات واپس لے لیے گئے ہیں۔

-iv آرڈیننس کا اجرا (Issuance of Ordinance)

جب اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو صدر آرڈیننس جاری کرنے کا اختیار رکھتا ہے لیکن یہ آرڈیننس صرف 4 ماہ کی مدت کے لیے نافذ العمل ہوتا ہے۔ اگر پارلیمنٹ اس کو منظور کر دے تو یہ قانون بن جاتا ہے۔ ورنہ مدت مقررہ کے بعد یہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

-v خطاب کرنا (To Adress)

صدر قومی اہمیت کے معاملات کے بارے میں کسی ایک ایوان یا دونوں ایوانوں سے یکجا خطاب کرسکتا ہے اور اس مقصد کے لیے ارکان کی حاضری کا حکم دے سکتا ہے۔۔

-vi استصواب رائے (Referendum)

صدر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی قومی مسئلے پر استصواب رائے کروا سکتا ہے۔ وہ قانون سازی میں بھی استصواب رائے کروانے کا اختیار رکھتا ہے۔ لیکن اٹھارھویں ترمیم کے تحت ریفرنڈم (استصواب رائے) کے انعقاد میں صدر وزیرِ اعظم سے مشورے کا پابند ہے۔

-3 عدالتی اختیارات (Judicial Powers)

صدر سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے چیف جسٹس اور ججوں کو مقرر کرنے میں پارلیمانی کمیٹی اور جوڈیشل کمیٹی کے مشورے کا پابند ہے۔ رحم کی اپیل صدر کے پاس ہوتی ہے۔

صدر مجرموں کی پھانسی کی سزا کو معاف کرسکتا ہے یا اسے عمر قید میں تبدیل کرنے کا مجاز ہے۔ سزا کو معطل کرنے کا اختیار بھی اسے حاصل ہے۔

-4 مالیاتی اختیارات (Financial Powers)

صدر پارلیمنٹ سے منظور شدہ بجٹ کی آخری منظوری دیتا ہے۔ اس کے علاوہ صدر بعض اوقات کچھ مالی منصوبوں پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کر کے پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ وزیر اعظم کے مشورے سے مختلف صوبوں کو خصوصی گرانٹ دینا صدر کے اختیار میں ہے۔

-5 ہنگامی اختیارات (Emergency Powers)

سیاسی افراتفری، فرقہ واریت یا مذہبی منافرت کی وجہ سے ملک میں کسی قسم کی ہنگامی صورت حال پیدا ہو جائے اور صدر بخیال کرے کہ ملک کی سالمیت اور استحکام کو خطرہ لاحق ہے تو وہ ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔

بہر حال اٹھارھویں ترمیم کے تحت صدر صرف رسمی اور نمائشی اختیارات کا مالک ہے۔ اس کی حیثیت صرف آئینی سربراہ کی ہے۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ وزیرِ اعظم کی ذات ہے۔

وزیراعظم (Prime Minister)

1973ء کے آئین کے مطابق پاکستان کا وزیراعظم حکومت اور انتظامیہ کا سربراہ ہے۔

1- اہلیت (Qualifications)

وزیراعظم بننے کے لیے لازمی ہے کہ امیدوار:

i- مسلمان ہو اور پاکستان کا شہری ہو۔

ii- ختم نبوت پر مکمل یقین رکھتا ہو۔

iii- قومی اسمبلی کا رکن ہو۔

iv- نظریہ پاکستان کا زبردست حامی ہو۔

v- وہ حکومت کے کسی منافع بخش عہدے پر فائز نہ ہو۔

2- انتخاب (Election)

1973ء کے آئین کے مطابق وزیراعظم کا چناؤ قومی اسمبلی کو حاصل تھا۔ 1985ء میں آٹھویں ترمیم کے تحت وزیراعظم کو نامزد کرنے کا اختیار صدر کو سونپ دیا گیا۔ وزیراعظم قومی اسمبلی کا رکن ہوتا ہے۔ اس کو اسمبلی میں اکثریت حاصل ہوتی ہے اور قومی اسمبلی کے ارکان اس کے انتخاب کی توثیق کرتے ہیں۔

3- عدم اعتماد (Vote of No Confidence)

جب وزیراعظم کو اس کے عہدے سے ہٹانا مقصود ہو تو اس کے خلاف قومی اسمبلی کے اجلاس میں ارکان تحریک عدم اعتماد پیش کر سکتے ہیں۔ اگر اکثریتی ارکان اسمبلی تحریک کی حمایت کر دیں تو وزیراعظم کے خلاف عدم اعتماد ہو جاتا ہے اور وزیراعظم کو برطرف سمجھا جاتا ہے۔

وزیراعظم اپنے عہدے سے مستعفی بھی ہو سکتا ہے اور اپنا استعفیٰ صدر کو پیش کر سکتا ہے۔ وزیراعظم کے مستعفی ہونے یا برطرف ہونے پر اس کی پوری کابینہ برطرف سمجھی جاتی ہے۔

4- میعاد (Term)

وزیراعظم پانچ سال تک اپنے عہدے پر فائز رہ سکتا ہے جو پارلیمنٹ کی میعاد ہے۔ وزیراعظم اس وقت تک برسر اقتدار رہ سکتا ہے جب تک اسے پارلیمنٹ میں اکثریت کی حمایت حاصل ہو۔

5- قائم مقام وزیراعظم (Acting Prime Minister)

وزیراعظم جب اپنی کابینہ کی تشکیل کرتا ہے تو اس وقت ایک سینئر وزیر کا انتخاب کرتا ہے جو وزیراعظم کی عدم موجودگی میں قائم مقام وزیراعظم کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ وزیراعظم کے فوت ہونے کی صورت میں وہ بقیہ مدت قائم مقام وزیراعظم کے طور پر

پوری کرتا ہے۔

وزیراعظم کے اختیارات (Powers of Prime Minister)

وزیراعظم حکومت کا سربراہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی کابینہ کے اراکین کا چناؤ کرتا ہے۔ اس کو اپنی کابینہ میں بہت اہم حیثیت حاصل ہے۔ قانون سازی میں اس کی رائے اثر انداز ہوتی ہے۔

1- انتظامی اختیارات (Administrative Powers)

i- کابینہ کا سربراہ (Head of Cabinet)

قومی اسمبلی کا سربراہ ہونے کی وجہ سے وزیراعظم اپنی کابینہ کا بھی سربراہ ہوتا ہے۔ کابینہ کے تمام ارکان اپنے محکموں کے متعلق وزیراعظم کو رپورٹ مہیا کرتے رہتے ہیں۔ ہر وزیر کو ایک ایک محکمہ تفویض ہوتا ہے۔ وہ اپنے محکموں کے متعلق پالیسی بناتے وقت وزیراعظم سے یقینی طور پر مشورہ طلب کرتے ہیں اور اس کی روشنی میں محکمے کی ترقی اور ترویج کے لیے کام کرتے ہیں۔

ii- کابینہ کی تشکیل (Composition of Cabinet)

وزیراعظم پاکستان اپنا حلف لینے کے بعد اپنی کابینہ تشکیل کرتا ہے۔ کابینہ میں تمام صوبوں کے ارکان کو نمائندگی دی جاتی ہے۔ کابینہ میں قابل اور پارٹی کے بیشتر افراد کو شامل کیا جاتا ہے۔ ہر وزیر ایک محکمے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ تمام وزرا پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے لیے جاتے ہیں لیکن ایک چوتھائی وزرا سینٹ سے لینا ضروری ہیں۔

iii- وزرا کی برطرفی (Termination of Ministers)

اگر کوئی کابینہ کا وزیر اپنے فرائض دیانتداری، تن دہی یا سنجیدگی سے ادا کرنے کے قابل نہیں تو وزیراعظم اسے برطرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ وزیراعظم متعلقہ وزیر کو مستعفی ہونے کا کہہ سکتا ہے۔ کابینہ کے ایک وزیر کے مستعفی ہونے سے کابینہ متاثر نہیں ہوگی۔

iv- تقرریاں اور اعزازات (Appointments and Awards)

2010ء میں 1973ء کے آئین میں کی گئی اٹھارہویں ترمیم کے تحت انتظامیہ، عدلیہ اور دیگر کلیدی اسامیوں اور سربراہوں کی تقرریاں کرنے میں صدر پاکستان، وزیراعظم سے مشورہ لینے کا پابند ہے۔ اسی طرح حکومت کی طرف سے مختلف شعبوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والوں کو اعزازات عطا کیے جاتے ہیں۔ صدر پاکستان ان تقرریوں اور اعزازات دینے کے متعلق بھی وزیراعظم سے مشورہ کرتا ہے۔

2- قانون سازی کے اختیارات *(Legislative Powers)*

i- بلوں کی منظوری *(Approval of Bills)*

وزیراعظم قومی اسمبلی میں قائدایوان کی حیثیت رکھتا ہے۔اس لیے قومی اسمبلی کے اندر قانون سازی کی کارروائی وزیراعظم کی رہنمائی میں ہوتی ہے۔مسودات کو پیش کرنے اور بحث ومباحثے میں وزیراعظم کلیدی کردارادا کرتا ہے۔چونکہ وزیراعظم قومی اسمبلی کے اندر اکثریت والی پارٹی کا سربراہ ہوتا ہے اور بل اکثریت سے منظور کیے جاتے ہیں اس لیے قانون سازی میں وزیراعظم کا براہ راست اثرورسوخ ہوتا ہے اوراس کی مرضی سے قانون سازی ہوتی ہے۔

ii- قومی اسمبلی کی تحلیل *(Dissolution of National Assembly)*

اگر ملک کے سیاسی حالات ناگفتہ بہ ہو جائیں تو قومی اسمبلی کو اپنی مقررہ مدت سے پہلے برطرف کرنے کے لیے وزیراعظم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ صدر کو قومی اسمبلی برخاست کرنے کا مشورہ دے۔ایسے مشورہ پر صدر پاکستان قومی اسمبلی کوتحلیل کرنے کا اعلان کردے گا۔وزیراعظم کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کے دوران قومی اسمبلی کو برخاست کرناممکن نہیں۔

3- مالیاتی اختیارات *(Financial Powers)*

حکومت کی نگرانی میں بجٹ تیار کیا جاتا ہے۔اس تیاری میں وزیراعظم کا مشورہ شامل ہوتا ہے۔جب یہ بجٹ قومی اسمبلی میں منظوری کے لیے پیش ہوتا ہے تو وزیراعظم ایوان کا سربراہ ہونے کے ناطے ملک کے سالانہ بجٹ کی منظوری پر اثر انداز ہوتا ہے۔ایوان کی اکثریت بجٹ کی منظوری عطا کرتی ہے اور یہ اکثریت وزیراعظم کو حاصل ہوتی ہے۔

4- امورخارجہ کے تعلقات *(Foreign Affairs)*

2010ء میں 1973ء کے آئین میں کی گئی اٹھارہویں ترمیم کے تحت وزیراعظم خارجہ پالیسی مرتب کرتا ہے۔چونکہ وہ کابینہ کا سربراہ ہوتا ہے اس لیے وزیرخارجہ،وزیراعظم کی مرضی سے خارجہ پالیسی طے کرتا ہے۔وزیرخارجہ،وزیراعظم کے ماتحت ہوتا ہے۔وہ وزیراعظم کے مشورے پرعمل کرتا ہے۔

5- قائدایوان *(Leader of House)*

پاکستان میں وزیراعظم کے عہدے پر وہی شخص فائز رہنے کا حق رکھتا ہے جو قومی اسمبلی میں پارٹی کا سربراہ اور قائدایوان ہوتا ہے۔وزیراعظم منتخب ہونے کے بعد وہ اپنی پارٹی کے منشوراور منصوبوں کے مطابق عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے کاروبارِحکومت چلاتا ہے۔

6- قوم کا نمائندہ *(Representative of Nation)*

چونکہ وزیراعظم قوم کا منتخب شدہ نمائندہ ہوتا ہے اس لیے قوم اس کو عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔وہ بین الاقوامی سطح کے دوروں پر جاتے ہوئے اپنی قوم کے اہم نمائندے کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے اس لیے وہ وہاں اپنی قوم کے تشخص اور ملکی عظمت کو اجاگر کرتا ہے۔

-7 عوامی فلاح و بہبود (Welfare of People)

وزیراعظم عوام کا نمائندہ اور قائد ہوتا ہے۔اس لیے وہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ اپنی کابینہ سمیت مصروف عمل رہتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ عوام کی شکایات کا ازالہ کرتا ہے۔صدر کی ہدایات پر ترقیاتی کاموں کا اجرا کرتا ہے تاکہ عوامی مسائل جلد از جلد حل ہوسکیں۔

صوبائی خودمختاری (Provincial Autonomy)

1973ء کے آئین کے مطابق پاکستان میں وفاقی طرز حکومت قائم ہے۔ پاکستان کے آئین سازوں کو ہمیشہ اس مسئلے کا سامنا رہا کہ بعض صوبوں کی طرف سے کیے جانے والے وسیع اعتراضات اور خودمختاری کے مطالبات کو پورا کرتے ہوئے پاکستان کی وحدت اور سالمیت کے تقاضوں کے مطابق ایسا آئین مرتب کیا جائے جس میں مرکز کو مناسب اختیارات حاصل ہوں اور باقی اختیارات صوبوں کو دے دیے جائیں۔ 1956ء اور 1962ء کے آئینوں کے برعکس 1973ء کے آئین میں صوبوں کو داخلی خودمختاری دی گئی ہے اور اس مسئلے کو خوش اسلوبی سے حل کر دیا گیا ہے۔

-1 وفاق کی نوعیت (Nature of Federation)

1973ء کے آئین کے تحت اسلامی جمہوریہ پاکستان کا وفاق مندرجہ ذیل علاقوں پر مشتمل ہوگا:

- i- صوبے: صوبہ پنجاب، صوبہ سندھ، شمال مغربی سرحدی صوبہ (خیبر پختونخوا) اور صوبہ بلوچستان۔
- ii- وفاقی دارالحکومت اسلام آباد اور اس کا ملحقہ علاقہ
- iii- وفاقی قبائلی علاقے

-2 قانون سازی میں حصہ (Share in Legislation)

قانون سازی میں امور کی دو فہرستیں ہیں۔ وفاقی امور کی فہرست اور متصلہ امور کی فہرست۔ وفاقی امور پر مرکزی حکومت اور متصلہ امور پر مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو قانون سازی کا حق ہے۔اس سلسلے میں بالادستی صرف مرکزی حکومت کو ہوگی۔ اور صوبائی حکومتوں کا قانون غیر موثر ہو جائے گا۔ باقی ماندہ امور پر قانون بنانے کا اختیار صرف صوبوں کی حکومتوں کو حاصل ہے۔ قانون سازی میں صوبوں کو حصہ دے کر خودمختار بنادیا گیا ہے۔

-3 انتظامی نظام (Executive System)

وفاقی انتظامیہ صدر مملکت، وزیراعظم اور اس کی کابینہ پر مشتمل ہے جبکہ صوبہ کی انتظامیہ میں ہر صوبے کا گورنر، وزیراعلیٰ اور اس کی کابینہ شامل ہیں۔صوبوں اور مرکز کے درمیان رابطے کا ذریعہ صوبائی گورنر ہیں۔ گورنر صوبے میں وفاقی حکومت کا نمائندہ تصور کیا جاتا ہے۔صوبائی حکومتیں اپنی مرضی سے پالیسیاں بناسکتی ہیں۔ انتظامی امور میں صوبے خودمختار ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق قانون سازی کرتے ہیں، انتظام چلاتے ہیں اور صوبائی خودمختاری کا احترام کرتے ہیں۔

-4 عدالتی ڈھانچہ (Judicial Structure)

پاکستان کے عدالتی نظام میں مرکز کی سطح پر بالاتر عدالتی ادارہ سپریم کورٹ ہے۔صوبائی سطح پر ہر صوبے میں ایک ایک

ہائی کورٹ قائم ہے۔ سپریم کورٹ مختلف صوبوں کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ اسی طرح اعلیٰ عدالتی کونسل (Supreme Judicial Council) کے جج بھی صوبوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ عدالتی نظام صوبائی خودمختاری کا مظہر ہے جو اپنے فرائض آزادانہ سرانجام دے رہا ہے۔

5- مالیاتی امور (Financial Affairs)

مالیاتی امور میں بھی صوبائی حکومتیں خودمختار ہیں۔ ہر صوبائی حکومت اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے عوام پر ٹیکس عائد کر سکتی ہیں لیکن پھر بھی مرکزی حکومت ان کو مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ مرکزی حکومت جو ٹیکس عائد کرتی ہے۔ اس کا مناسب حصہ قومی مالیاتی کمیشن کے ذریعے صوبائی حکومتوں کو فراہم کیا جاتا ہے۔ قومی مالیاتی کمیشن مرکز اور صوبوں کے درمیان مالیاتی امور کو طے کرتا ہے۔

6- وفاقی سول سروس (Federal Civil Service)

وفاقی پبلک سروس کمیشن ایک آئینی ادارہ ہے جو وفاقی سول سروس صوبوں کو مہیا کرتا ہے اور یہ اعلیٰ افسران صوبے کا انتظام چلاتے ہیں۔ وفاقی پبلک سروس کمیشن تمام صوبوں سے آبادی کے تناسب سے افسران کے انتخاب کے لیے امتحان کا بندوبست کرتا ہے اور کوٹہ کے مطابق افسران کی تقرری کی سفارش کرتا ہے۔ وفاقی سول سروس میں بھی صوبوں کا کوٹہ مقرر ہے۔

7- اداروں میں نمائندگی (Representation in the Institutions)

اس وقت پاکستان کے مختلف ادارے مختلف نوعیت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، ان تمام اداروں میں صوبوں کو ہر لحاظ سے نمائندگی حاصل ہے اور انھیں کسی موقع پر محرومی کا شکار نہیں ہونے دیا گیا۔ صدر، وزیراعظم، وفاقی وزرا، سینٹ کا چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین، قومی اسمبلی کا سپیکر اور ڈپٹی سپیکر، مشترکہ مفادات کی کونسل، اسلامی نظریاتی کونسل، قومی اقتصادی کونسل اور قومی مالیاتی کمیشن کے سربراہ اور اراکین مختلف صوبوں سے چنے جاتے ہیں۔ نمائندگی کا یہ اصول اس بات کی ترجمانی کرتا ہے کہ صوبوں کو خودمختاری حاصل ہے۔ اس سے 1973ء کے آئین کے مطابق صوبائی خودمختاری کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

8- مکمل خودمختاری (Complete Provincial Atonomy)

صوبوں کو مزید بااختیار بنانے اور صوبائی خودمختاری دینے کے لیے اب تعلیم، صحت، زراعت، عدلیہ، ضابطہ دیوانی، ضابطہ فوجداری اور ثالثی کے قوانین میں وفاق کا دائرۂ اختیار ختم کر دیا گیا ہے اور صوبے ان معاملات میں مکمل طور پر خودمختار ہیں۔

سپریم کورٹ آف پاکستان
(Supreme Court of Pakistan)

1973ء کے آئین کے مطابق ملک میں ایک اعلیٰ وفاقی عدالت قائم کی گئی ہے جسے سپریم کورٹ آف پاکستان کہا جاتا ہے۔ اس عدالت کو ملک کی تمام عدالتوں پر برتری حاصل ہے۔ اس کے ذیلی بنچ بڑے بڑے شہروں میں بھی قائم ہیں۔

1- تشکیل (Composition)

پاکستان کی سپریم کورٹ ایک چیف جسٹس اور کچھ ججوں پر مشتمل ہے۔ آئین میں ججوں کی تعداد کا تعین نہیں کیا گیا۔

ججوں کی تعداد ملکی حالات کے مطابق پارلیمنٹ مقرر کرتی ہے۔ جب تک پارلیمنٹ ایسا نہیں کرتی یہ اختیار صدر کو حاصل ہوتا ہے۔

-2 اہلیت *(Qualification)*

-i جج بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پاکستان کا شہری ہو۔

-ii پانچ سال تک کسی ہائی کورٹ کا جج رہ چکا ہو۔

-iii پندرہ سال تک کسی ہائی کورٹ میں ایڈووکیٹ کی حیثیت سے کام کر چکا ہو۔

-3 تقرری **(Appointment)**

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور ججوں کا تقرر پارلیمانی کمیٹی اور جوڈیشل کونسل کے مشورے سے صدر پاکستان کرتا ہے۔

-4 برطرفی *(Termination)*

اگر کوئی جج آئین کی خلاف ورزی کرے، اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھائے، بدعنوانی کا ارتکاب کرے یا ذہنی یا جسمانی لحاظ سے معذور ہو جائے تو صدر پاکستان اعلیٰ عدالتی کونسل *(Supreme Judicial Council)* کی تحقیقات پر مذکورہ جج کو اپنے عہدے سے برطرف کر سکتا ہے۔

-5 میعاد عہدہ *(Term)*

سپریم کورٹ کے جج پینسٹھ سال کی عمر تک اپنے عہدے پر فائز رہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو ریٹائر کر دیا جاتا ہے۔

-6 حلف *(Oath)*

چیف جسٹس آف پاکستان اپنے عہدے کا حلف صدر پاکستان کے سامنے اور جج صاحبان چیف جسٹس کے سامنے اپنے عہدے کا حلف اٹھانے کے پابند ہیں۔

-7 صدر مقام *(Headquarter)*

سپریم کورٹ کا صدر مقام اسلام آباد ہے لیکن اس کے بنچ دیگر بڑے شہروں میں بھی قائم ہیں مثلاً لاہور، کراچی، پشاور وغیرہ۔

-8 قائم مقام یا عارضی جج *(Officiating or Adhoc Judge)*

کام کی زیادتی کی وجہ سے صدر پاکستان کسی ایسے شخص کو قائم مقام جج مقرر کر سکتا ہے جو سپریم کورٹ کے جج بننے کی تمام شرائط پوری کرتا ہو۔ اسی طرح سپریم کورٹ کا چیف جسٹس صدر مملکت کی اجازت سے عارضی جج مقرر کرنے کا مجاز ہے۔

-9 بنچ *(Bench)*

عام مقدمات کی سماعت سپریم کورٹ کا ایک جج کرتا ہے جسے سنگل بنچ کہتے ہیں۔ خصوصی اہمیت کے مقدمات کے لیے ایک سے زیادہ ججوں پر مشتمل بنچ قائم کیے جاتے ہیں مثلاً ڈویژن بنچ اور فل بنچ وغیرہ۔ یہ بنچ کثرت رائے سے فیصلے دیتے ہیں۔

10- پابندیاں (Restrictions)

i- ملازمت کے دوران سپریم کورٹ کا جج کسی نفع بخش عہدے پر فائز نہیں ہو سکتا۔

ii- ریٹائرمنٹ کے بعد دو سال تک وہ انتظامی نوعیت کے کسی سرکاری عہدے پر مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن چیف الیکشن کمشنر بن سکتا ہے۔

iii- ریٹائرمنٹ کے دو سال بعد تک وہ پاکستان کی کسی عدالت میں بطور وکیل پیش نہیں ہو سکتا۔

11- تنخواہ و مراعات (Privileges)

چیف جسٹس اور ججوں کو معقول تنخواہ دی جاتی ہے۔ انھیں ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن بھی ملتی ہے۔ ان کو رہائش اور آمد و رفت الاؤنس دیا جاتا ہے جن کی توثیق اور نظر ثانی صدر پارلیمنٹ کی ایما پر کرتا ہے۔

اختیارات (Powers)

1- ابتدائی دائرہ سماعت (Original Jurisdiction)

اگر مرکز یا صوبوں کے درمیان اور اسی طرح مختلف صوبائی حکومتوں کے درمیان کوئی جھگڑا یا اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کی ابتدائی سماعت سپریم کورٹ کے اختیار میں ہے۔

2- اپیلوں کی سماعت (Appellate Jurisdiction)

سپریم کورٹ کو چاروں صوبائی ہائی کورٹس اور ان کی ذیلی عدالتوں کے دیے ہوئے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سننے کا اختیار حاصل ہے۔ دیوانی نوعیت کے پچاس ہزار مالیت کے مقدمے اور فوجداری مقدمات میں سزائے موت کے خلاف سپریم کورٹ اپیلیں سننے کی مجاز ہے۔

3- بنیادی حقوق کا تحفظ (Protection of Fundamental Rights)

سپریم کورٹ عوام کے بنیادی حقوق کی محافظ ہے۔ اگر آئین میں شامل بنیادی حقوق شہریوں کو فراہم نہ کیے جائیں تو شہری سپریم کورٹ سے رجوع کر سکتے ہیں۔ سپریم کورٹ بنیادی حقوق کو بحال کرنے کے لیے احکامات بھی جاری کرتی ہے۔

4- مشاورتی اختیارات (Advisory Powers)

صدر پاکستان اگر کسی قومی اہمیت کے مسئلے پر قانونی مشورہ لینا چاہے تو وہ اس مسئلے کو سپریم کورٹ میں بھیج سکتا ہے۔ تاہم صدر ایسے قانونی مشورے کو ماننے کا پابند نہ ہوگا۔

5- نظر ثانی کے اختیارات (Powers of Review)

سپریم کورٹ کو نظر ثانی کے اختیارات بھی حاصل ہیں۔ وہ اپنے ہی دیے ہوئے فیصلے پر دوبارہ نظر ثانی کر سکتی ہے۔ اسی طرح کسی بھی غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے سپریم کورٹ کو ایک اور موقع مل جاتا ہے۔ یہ اختیار کسی کی زندگی بچا سکتا ہے اور اس کو نقصان سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

-6 آئین کی تشریح (Interpretation of Constitution)

آئین میں اگر کسی قسم کی الجھنیں یا ابہام پیدا ہو جائے تو سپریم کورٹ کو اس کی تشریح کا اختیار حاصل ہے۔ سپریم کورٹ جو بھی تشریح کرے گی وہ حتمی نوعیت کی ہوگی۔

-7 آئین کی محافظ (Guardian of Constitution)

سپریم کورٹ آئین کی محافظ بھی تصور کی جاتی ہے۔ اگر انتظامیہ سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو سپریم کورٹ اس کے فیصلے کو غلط قرار دے سکتی ہے اور غیر آئینی ثابت ہونے پر اس کے فیصلے کو منسوخ کر سکتی ہے۔

-8 ہدایات جاری کرنا (To give Instructions)

سپریم کورٹ اپنے زیرِ سماعت تمام مقدمات پر کسی بھی ادارے یا فرد کو مختلف قسم کی ہدایات جاری کر سکتی ہے جن پر عمل کرنا لازمی ہوگا۔ اس قسم کی ہدایات کا اطلاق پورے ملک پر ہوگا۔ اسی طرح حکم امتناعی کے ذریعے اسے کام کرنے سے روک سکتی ہے جو ان کے اختیار میں نہ ہو۔ سپریم کورٹ کسی سرکاری ادارے یا افراد کے احکامات کو غیر موثر بنا سکتی ہے۔

-9 نگرانی کے اختیارات (Supervisory Powers)

سپریم کورٹ چاروں صوبائی ہائی کورٹس کی نگرانی کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ ان کے لیے قواعد و ضوابط تشکیل دیتی ہے۔ ہدایات اور احکامات جاری کر سکتی ہے۔

-10 متفرق اختیارات (Miscellaneous Powers)

-i کسی شخص کو حاضری کا حکم دینا۔

-ii ضروری کاغذات یا مسودات طلب کرنا۔

-iii ٹریبونلز قائم کرنا۔

-iv مختلف قانونی نکات کی وضاحت کرنا۔

ہائی کورٹ (High Court)

پاکستان کے 1973ء کے آئین کے مطابق ملک کے چاروں صوبوں میں ایک ایک ہائی کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

-1 تشکیل (Composition)

ہر صوبے کی ہائی کورٹ ایک چیف جسٹس اور چند ججوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ آئین کے مطابق ججوں کی تعداد متعین نہیں۔ ججوں کی تعداد ملکی حالات اور مقدمات کے مطابق پارلیمنٹ مقرر کرتی ہے۔ جب تک پارلیمنٹ ایسا نہیں کرتی یہ اختیار صدر کو حاصل ہوتا ہے۔

-2 اہلیت (Qualification)

ہائی کورٹ کا جج بننے کے لیے ضروری ہے کہ:

-i وہ پاکستان کا شہری ہو۔

-ii اس کی عمر 40 سال سے کم نہ ہو۔

iii- ہائی کورٹ میں وکالت کا دس سالہ تجربہ رکھتا ہو۔

یا دس سال تک کسی بھی عدالتی عہدے پر فائز رہا ہو۔

یا دس سال تک سول سروس کا تجربہ ہو۔

یا تین سال تک بطور ڈسٹرکٹ یا سیشن جج کام کر چکا ہو۔

3- تقرری (Appointment)

ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور ججوں کی تقرری صدر پاکستان پارلیمانی کمیٹی اور جوڈیشل کونسل کی سفارشات پر کرتا ہے۔

4- برطرفی (Termination)

اعلیٰ عدالتی کونسل (Supreme Judicial Council) دماغی یا جسمانی معذوری، بدعنوانی، اختیارات کے ناجائز استعمال اور آئین کی خلاف ورزی کرنے پر کسی ملوث جج کو برطرف کرواسکتی ہے۔ برطرفی کا اختیار صدر پاکستان کے ہاتھ میں ہے۔

5- میعادِ عہدہ (Term)

ہائی کورٹ کے جج کی ریٹائرمنٹ کی عمر 62 سال ہے لیکن اس سے پہلے وہ اپنے عہدے سے استعفیٰ دے سکتا ہے۔

6- حلف (Oath)

ہائی کورٹ کا چیف جسٹس متعلقہ گورنر کے سامنے جبکہ جج متعلقہ چیف جسٹس کے سامنے اپنے عہدے کا حلف اٹھاتا ہے۔

7- صدر مقام (Headquarter)

ہائی کورٹ کا صدر دفتر متعلقہ صوبائی دارالحکومت میں قائم ہوتا ہے لیکن اس کے بنچ صوبے کے دیگر بڑے شہروں میں بھی قائم ہوتے ہیں۔

8- قائم مقام یا عارضی جج (Officiating or Adhoc Judge)

اگر کسی ہائی کورٹ میں کام کا بوجھ بڑھ جائے تو صدر پاکستان مخصوص حالات میں قائم مقام جج اور صوبائی چیف جسٹس عارضی جج تعینات کرسکتا ہے۔

9- بنچ (Bench)

صوبے کے چند بڑے شہروں میں ہائی کورٹ کے بنچ قائم کیے گئے ہیں۔ عام طور پر مقدمات کی سماعت ایک جج کرتا ہے جس کو سنگل بنچ کہتے ہیں۔ اہم مقدمات کی سماعت کے لیے دو یا دو سے زیادہ جج مقرر ہوتے ہیں جو ڈویژنل بنچ کہلاتے ہیں۔ ان کا فیصلہ کثرت رائے سے ہوتا ہے۔

10- پابندیاں (Restrictions)

i- دورانِ ملازمت کوئی جج کوئی منافع بخش عہدہ نہیں سنبھال سکتا۔

ii- ریٹائرمنٹ کے دوسال بعد تک کوئی سرکاری انتظامی عہدہ قبول نہیں کرسکتا۔

iii- ریٹائرمنٹ کے دوسال بعد تک وہ کسی ہائی کورٹ میں بطور وکیل کام نہیں کرسکتا۔

11- تنخواہ و مراعات (Privileges)

ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور ججوں کو معقول تنخواہ دی جاتی ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ معقول پنشن کے حقدار ہیں۔ رہائش اور آمدورفت الاؤنس کی سہولیات بھی فراہم کی جاتی ہیں لیکن ان کا تعین پارلیمنٹ کرتی ہے اور صدر پاکستان اس کی توثیق کرنے کا مجاز ہے۔

اختیارات (Powers)

ہائی کورٹ صوبے کی اعلیٰ عدالت ہے۔ وہ اپنی صوبائی حدود کے اندر مندرجہ ذیل اختیارات استعمال کرتی اور فرائض سرانجام دیتی ہے۔

1- ابتدائی دائرہ سماعت (Original Juridiction)

ہائی کورٹ کو ایسے تمام معاملات میں ابتدائی سماعت کا اختیار حاصل ہے جہاں آئین میں درج بنیادی حقوق کے تحفظ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

2- اپیلوں کے اختیارات (Appellate Jurisdiction)

ہائی کورٹ صوبے کی تمام ڈسٹرکٹ اور سیشن کورٹس کے ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کی اپیلیں سننے کا اختیار رکھتی ہے۔ فوجداری نوعیت میں سزائے موت یا عمر قید کی سزا اور دیوانی مقدمہ میں دس ہزار مالیت کے مقدمے کے خلاف اپیلیں سننے کی مجاز ہے۔

3- حکم ناموں کا اجرا (Issuance of Orders)

ہائی کورٹ اپنی صوبائی حدود کے اندر مندرجہ ذیل حکم نامے جاری کرنے کی حامل ہے۔

i- حکم نامہ امر (Order of Mandamus)

ہائی کورٹ کسی سرکاری افسر، کارپوریشن یا ماتحت عدالت کو کسی فرض کی ادائیگی کرنے کا حکم دے سکتی ہے جو وہ نہ کر رہا ہو۔

ii- حکم امتناعی (Order of Prohibition)

ہائی کورٹ کسی سرکاری افسر، کارپوریشن یا ماتحت عدالت کو کسی فرض کی ادائیگی سے منع کرسکتی ہے۔ جو وہ غیر قانونی طور پر کر رہا ہو اور اس کے اختیار میں نہ ہو۔

iii- حکم تعین اختیارات (Order of Certorari)

اگر کوئی عدالت غیر قانونی طور پر اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہوئے فیصلہ کردے تو ہائی کورٹ حکم تعین اختیارات کے ذریعے اس فیصلے کو بدلنے اور قانونی طور پر پہلے فیصلے میں ردوبدل کا حکم دے سکتی ہے۔

iv- حکم حبس بے جا (Order of Habeas Corpus)

ہائی کورٹ کسی زیرِ حراست شخص کی درخواست پر اس شخص اور متعلقہ ریکارڈ کو "حکم حبس بے جا" کی رو سے ہائی کورٹ میں پیش

کرنے کا حکم صادر کرسکتی ہے۔ تا کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اسے غیر قانونی طور پر قید میں تو نہیں رکھا گیا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو عدالت اسے رہا کرنے کے احکامات جاری کرسکتی ہے۔

v- حکم اظہار وجوہ (Order of Quo Warranto)

اس حکم کے ذریعے وہ کسی سرکاری عہدے دار سے یہ وضاحت طلب کرنے کی مجاز ہے کہ وہ کس قانونی اختیارات کے تحت اس عہدے پر فائز ہونے کا حق دار ہے۔

4- نگرانی کے اختیارات (Supervisory Powers)

ہائی کورٹ صوبے کی تمام ماتحت عدالتوں کی نگرانی کرتی ہے۔ ان کے لیے اصول وضوابط وضع کرنا اور ہدایات جاری کرنا ہائی کورٹ کے فرائض میں شامل ہیں۔ ماتحت عدالتوں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے معائنہ ٹیمیں تشکیل دیتی ہے اور ان کی خلاف ضابطہ کارروائیوں پر گرفت کرنے کے لیے اچانک چھاپے بھی مارتی ہے۔

5- بنیادی حقوق کا تحفظ (Protection of Fundamental Rights)

ہائی کورٹ کو بنیادی حقوق کے تحفظ اوران کی بحالی کے خصوصی اختیارات حاصل ہیں۔ کسی شہری کی درخواست پر اس کا بنیادی حق بحال کرنے کا حکم صادر کرسکتی ہے۔ یہ کسی حکم یا قانون کو کالعدم قرار دے سکتی ہے جو بنیادی حقوق کے منافی ہو۔

6- توہینِ عدالت کی کارروائی (Contempt of Court)

ہائی کورٹ کسی شخص پر توہینِ عدالت کے الزام میں مقدمہ چلا سکتی ہے اور اسے سزا دے سکتی ہے۔

7- مشاورتی اختیارات (Advisory Powers)

ہائی کورٹ کسی اہم قانونی نکتے کے بارے میں گورنر کو مشورہ دے سکتی ہے بشرطیکہ وہ مشورہ طلب کیا گیا ہو لیکن وہ اس کو ماننے کا پابند نہیں ہے۔

ضلعی عدلیہ: ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹس

ہر ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ ہوتی ہے جس کا سربراہ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ہوتا ہے۔ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کی معاونت کے لیے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن ججز کا تقرر کیا جاتا ہے جن کے عدالتی اختیارات ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے برابر ہوتے ہیں تاہم ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے پاس عدالتی انتظام وانصرام کے اختیارات بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ضلعی عدلیہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ ابتدائی دیوانی فوجداری عدالت ہائے کے احکامات کے خلاف اپیل اور نگرانی کی سماعت بھی کرتی ہے۔ تاہم زیادہ اہم مقدمات بشمول قتل کے سماعت کا اختیار ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ کو ہی حاصل ہے۔

ابتدائی عدالت دیوانی وفوجداری

سول جج کی عدالت ابتدائی عدالت دیوانی ہوتی ہے۔ تمام سول مقدمات ابتدائی عدالت دیوانی میں سول جج کے سامنے ہی سماعت ہوتے ہیں۔ سول جج کے پاس مجسٹریٹ کے اختیارات بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ دیوانی کے ساتھ ساتھ ابتدائی عدالت فوجداری کا کام بھی کرتا ہے۔ زیادہ تر فوجداری اور دیوانی مقدمات سول جج / جوڈیشل مجسٹریٹ کی عدالت میں ہی سماعت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ فیملی و کرایہ داری کے مقدمات کی سماعت بھی اسی ابتدائی عدالت میں ہوتی ہے۔ فیملی مقدمات کی سماعت کے وقت سول جج کو فیملی جج کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں جبکہ کرایہ داری کے مقدمات کی سماعت کے وقت اس کو رینٹ ٹریبونل کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

سوالات

حصہ اوّل (معروضی)

-1 ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

-i پاکستان کی قومی اسمبلی کے ارکان کی تعداد کتنی ہے؟

ا۔ 332 ب۔ 342 ج۔ 352 د۔ 362

-ii صدارتی آرڈیننس کتنی مدت کے لیے نافذ العمل ہوتا ہے؟

ا۔ 4 ماہ ب۔ 6 ماہ ج۔ 8 ماہ د۔ 10 ماہ

-iii 1973ء کے آئین کے میں آٹھویں ترمیم کب کی گئی؟

ا۔ 1979ء ب۔ 1981ء ج۔ 1983ء د۔ 1985ء

-iv سپریم کورٹ کے جج کی ریٹائرمنٹ کی عمر کتنی ہے؟

ا۔ 55 سال ب۔ 60 سال ج۔ 65 سال د۔ 70 سال

-v 1962ء کا آئین کتنی دفعات پر مشتمل تھا؟

ا۔ 250 ب۔ 280 ج۔ 310 د۔ 340

-vi قرارداد مقاصد (1949ء) کس وزیر اعظم کے دور میں منظور ہوئی؟

ا۔ خواجہ ناظم الدین ب۔ چوہدری محمد علی

ج۔ حسین شہید سہروردی د۔ لیاقت علی خاں

-vii گورنر جنرل ملک غلام محمد نے پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی کو کب برخاست کیا؟

ا۔ 1954ء ب۔ 1956ء ج۔ 1958ء د۔ 1960ء

-viii 1956ء کے آئین کے تحت مقننہ کتنے ارکان پر مشتمل تھی؟

ا۔ 100 ب۔ 200 ج۔ 300 د۔ 400

-ix پاکستان کے سینٹ کے ارکان کی تعداد کتنی ہے؟

ا۔ 40 ب۔ 60 ج۔ 80 د۔ 104

-x وحدت مغربی پاکستان کب عمل میں آئی؟

ا۔ 1945ء ب۔ 1955ء ج۔ 1965ء د۔ 1975ء

-2 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجیے:

-i پاکستان میں رائے دہندہ کی شرائط تحریر کیجیے۔

-ii بنیادی اصولوں کی کمیٹی کیوں تشکیل دی گئی؟

iii- وحدت مغربی پاکستان سے کیا مراد ہے؟

iv- مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بڑی طاقتوں کا کیا کردار تھا؟

v- پاکستان کے 1973ء کے آئین کو "وفاقی آئین" کیوں کہا جاتا ہے؟

vi- سینٹ کی تشکیل کیسے ہوتی ہے؟

vii- قومی اسمبلی کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کو کیوں منتخب کیا جاتا ہے؟

viii- پاکستان کا صدر بننے کے لیے کن شرائط کا ہونا لازمی ہے؟

ix- وزیر اعظم کا انتخاب کیسے ہوتا ہے؟

x- سپریم کورٹ آف پاکستان کی تشکیل کیسے ہوتی ہے؟

حصہ دوم (انشائیہ)

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیجیے:

i- قراردادِ مقاصد کے اہم نکات کی وضاحت کیجیے۔

ii- 1956ء کے آئین کے اہم خدوخال بیان کیجیے۔

iii- 1962ء کے آئین کے اہم خدوخال کا جائزہ لیجیے۔

iv- مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجوہات بیان کیجیے۔

v- 1973ء کے آئین کے اہم خدوخال تحریر کیجیے۔

vi- 1973ء کے آئین کی اسلامی دفعات کا جائزہ لیجیے۔

vii- پارلیمنٹ کے اختیارات کی وضاحت کیجیے۔

viii- صدر پاکستان کے اختیارات کی وضاحت کیجیے۔

ix- وزیر اعظم پاکستان کے اختیارات واضح کیجیے۔

x- سپریم کورٹ آف پاکستان کے اختیارات کی وضاحت کیجیے۔

باب 3

پاکستان میں معاشرتی خدمات

(Social Services in Pakistan)

صحت (Health)

صحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ ہے اور کسی نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔ صحت سے مراد بیماری کی عدم موجودگی ہے۔ اگر ایک انسان کا جسم بیماری سے محفوظ ہو اور اس کا ذہنی رویہ معتدل اور متوازن ہو تو اسے ایک صحت مند انسان کہا جائے گا۔

اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک صحت مند جسم میں صحت مند دماغ پایا جاتا ہے۔ ایک صحت مند دماغ اور جسم ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کرتا ہے۔ پاکستان میں عوام کی صحت کو قابلِ رشک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ترقی یافتہ ممالک کا صحت کا معیار ہماری نسبت خاصا بلند ہے۔ اکنامک سروے آف پاکستان 14-2013ء کے مطابق ہمارے ہاں مردوں کی اوسط عمر 64.6 سال اور خواتین کی اوسط عمر 66.5 سال ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں اوسط عمر 70 سال کے لگ بھگ ہے۔

14-2013ء کے دوران پاکستان میں صحت کے شعبہ میں 79.46 ارب روپے خرچ کیے گئے جو ہماری جی۔ ڈی۔ پی (G.D.P) کا 0.35 فیصد ہے۔ ہمارے ملک میں 1127 افراد کے لیے ایک ڈاکٹر جبکہ 14406 افراد کے لیے ایک ڈینٹیسٹ موجود ہے۔ ہسپتال میں 1786 افراد کے لیے صرف ایک بستر کی سہولت موجود ہے۔

محکمہ صحت ہسپتالوں میں بیرونی، اندرونی اور حادثاتی مریضوں کے لیے شفا بخش اور احتیاطی خدمات فراہم کرتا ہے۔ یہ خدمات ہسپتالوں، ڈسپنسریوں، ٹی۔ بی کلینکس، رورل ہیلتھ سینٹرز (RHC)، بنیادی صحت یونٹس (BHU) اور میٹرنٹی و بچوں کے مراکز وغیرہ کے ذریعے سرانجام دی جاتی ہیں۔

طبی ڈھانچہ (Health Structure)

پاکستان میں گاؤں کی سطح پر لیڈی ہیلتھ وزیٹرز فرائض سرانجام دیتی ہیں۔ پرائمری سطح پر بنیادی صحت کے یونٹ (BHU) اور رورل ہیلتھ سنٹرز (RHC) قائم ہیں۔ ثانوی سطح پر تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال اور ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال آتے ہیں جن کو ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کنٹرول کرتی ہے۔ جبکہ ٹیچنگ ہسپتال، مینٹل ہیلتھ انسٹیٹیوٹ، کارڈیالوجی انسٹیٹیوٹ اور چلڈرن ہسپتال براہ راست صوبائی حکومت کے کنٹرول میں ہیں۔

صحت کا محکمہ صوبائی حکومت کے کنٹرول میں آتا ہے جس کا سربراہ وزیر صحت ہے۔ جبکہ سیکرٹری بطور منتظم اعلیٰ اور کنٹرولر کے طور پر کام کرتا ہے۔ وزیر صحت صوبائی کابینہ کے ساتھ مل کر صوبہ بھر کے لیے پالیسیاں طے کرتا ہے اور سیکرٹری سمیت سارا عملہ پالیسیوں پر عمل درآمد کرواتا ہے۔ اس کے نیچے ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ سروسز آتا ہے جس کا کام صوبے میں ترقیاتی، احتیاطی علاج (Preventive Treatment) اور شفا بخش خدمات فراہم کرتا ہے۔

ہر ضلعے میں ڈی۔سی۔او(D.C.O) ضلعی رابطہ افسر ہے۔اس کے نیچے انتظامی ضلعی افسر (طبی)(E.D.O(H مقرر ہے۔ انتظامی ضلعی افسر (طبی) کے ماتحت ڈسٹرکٹ آفیسرز (طبی)(D.O(H آتے ہیں جو اپنے نگران افسروں کے ساتھ مل کر صحت کی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔

طبی سہولیات (Facilities)

صوبے میں صوبائی محکمہ صحت عوام کو طبی سہولتیں فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے جبکہ محکمہ داخلہ، محکمہ اوقاف، مقامی حکومت، سوشل سکیورٹی، پاکستان ریلویز، واپڈا اور دیگر ادارے اپنے ملازمین کو صحت کی سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ رضا کار تنظیمیں بھی پاکستان کے عوام کو ہسپتالوں، ڈسپنسریوں اور کلینکس کے ذریعے طبی سہولیات فراہم کرتی ہیں۔ پاکستان میں صحت عامہ کی بہتری کے لیے سفارشات مرتب کرنے کی غرض سے وقتاً فوقتاً صحت کانفرنسوں کا انعقاد ہوتا رہتا ہے۔ پاکستان میں صحت کی بہتری کے لیے درج ذیل اقدامات کیے گئے ہیں۔

1- میڈیکل کالجوں کا قیام (Establishment of Medical Colleges)

قیام پاکستان کے وقت کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج ہی ایک واحد کالج تھا۔اب ملک میں کافی زیادہ میڈیکل کالج اور میڈیکل یونیورسٹیاں قائم ہیں جو طبی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔

2- مختلف طبی اداروں کا قیام (Establishment of Various Medical Institutions)

قیام پاکستان کے بعد انسٹیٹیوٹ آف پبلک ہیلتھ لاہور قائم کیا گیا، جو اب یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ آف پبلک ہیلتھ بن چکا ہے۔ پاکستان نرسنگ کونسل اسلام آباد، میڈیکل اور ڈینٹل کونسل اسلام آباد اور یونیورسٹی آف ہیلتھ سائنسز لاہور وغیرہ میڈیکل کے شعبے میں اہم خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

3- نیشنل ہیلتھ ریسرچ انسٹیٹیوٹ (National Health Research Institute)

اسلام آباد میں قائم نیشنل ہیلتھ ریسرچ انسٹیٹیوٹ صحت عامہ کو بہتر بنانے کے لیے تحقیقات اور علاج کا کام سرانجام دے رہا ہے۔

4- پاکستان میں میڈیکل پوسٹ گریجوایشن کی سہولتیں (Facilities of Medical Postgraduation in Pakistan)

پاکستان میں اب اعلیٰ میڈیکل تعلیم حاصل کرنے کے لیے صوبوں کے مختلف میڈیکل کالجوں میں سہولتیں فراہم کردی گئی ہیں۔

5- بیماریوں کی روک تھام (Eradication of Diseases)

پولیو، ملیریا، تپ دق، جذام اور ایڈز جیسی موذی امراض کے خاتمے کے لیے حکومت پاکستان نے اقوام متحدہ اور اس کی ایجنسیوں اور غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) کے تعاون سے کوششیں کی ہیں۔ پاکستان میں پولیو کے خاتمہ کے لیے مہم جاری ہے۔ ملیریا اور تپ دق کے انسداد کے لیے پروگرام جاری ہے۔ جلد کے موذی مرض جذام (کوڑھ) کو کنٹرول کرنے کے لیے کراچی سمیت ملک میں 150 سے زائد سنٹر قائم کیے گئے ہیں جہاں مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ ایڈز اور دوسری بیماریوں کے پھیلاؤ کو روکنے

کے لیے حکومت نے خاص بندوبست کیے ہیں۔

6- ہیڈکوارٹر ہسپتالوں کی ترقی (Upgradation of DHQ/THQ)

تحصیل ہیڈکوارٹر ہسپتال اور ضلعی ہیڈکوارٹر ہسپتال ثانوی درجے کے ہسپتال ہیں۔ جس کی Upgradation کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے معیار کو بلند کرسکیں اور لوگوں کو بہتر طبی سہولیات فراہم کرسکیں۔

7- حادثاتی طبی خدمات (Emergency Medical Services)

پاکستان کے تمام ہسپتالوں میں حادثاتی طبی خدمات فراہم کی جارہی ہیں کیونکہ حادثات جان لیوا ثابت ہوتے ہیں۔ مریضوں کو بروقت طبی سہولیات کی فراہمی سے ان کی جان بچ سکتی ہے۔

8- تدریسی ہسپتالوں میں کمپیوٹر کا بندوبست

(Facility of Computers in Teaching Hospitals)

تمام ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسرز کو کمپیوٹر کی سہولیات دستیاب ہیں۔ مریضوں کے بروقت ریکارڈ حاصل کرنے میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔

9- مخصوص ہسپتال (Special Hospitals)

دل کے امراض، برن یونٹ اور زچہ بچہ کی بہبود کے ہسپتال بھی پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں قائم کیے گئے ہیں جو مریضوں کو بروقت طبی سہولیات فراہم کرکے ان کی زندگیاں بچانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

10- غذائیت کی تحقیق (Nutrition Investigation)

غذائیت کی تحقیق کے لیے اسلام آباد میں ایک ڈائریکٹوریٹ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس طرح کی تحقیق کے لیے انسٹیٹیوٹ آف پبلک ہیلتھ لاہور میں بھی کام جاری ہے۔ اسلام آباد کا غذائیت کا قومی ادارہ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے تعاون سے قائم ہوا۔ کراچی میں بھی ناقص غذا پر کنٹرول کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

صحت کے مسائل (Health Problems)

پاکستان میں صحت عامہ بے شمار مسائل کا شکار ہے۔ مندرجہ ذیل مسائل معیارِ صحت کو بلند کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

1- کثرت امراض (Excessive Diseases)

پاکستان میں مختلف امراض بکثرت پائے جاتے ہیں۔ بعض موذی ومتعدی امراض کی وجہ سے ہر سال ہزاروں انسان لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ ملیریا، ہیضہ، تپ دق کے علاوہ کینسر، ہائی بلڈ پریشر اور عارضہ قلب وغیرہ عام ہورہے ہیں۔

2- طبی سہولیات کا فقدان (Lack of Medical Facilities)

پاکستان میں وہ طبی سہولیات میسر نہیں ہیں جو صحت مند جسم کے لیے ضروری خیال کی جاتی ہیں۔ امراض کی کثرت کے مقابلے میں علاج معالجہ کی سہولیات محدود اور غیر معیاری ہیں۔

3- افراطِ آبادی (Over population)

پاکستان میں طبی مسائل کی ایک اور اہم وجہ افراطِ آبادی ہے جو ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ اس افراط

آبادی نے پاکستان کے طبی ڈھانچے کو بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا ہے اور ملک بے شمار طبی مسائل کا شکار ہے۔

4- حفظانِ صحت کے اصولوں سے ناواقفیت (Ignorance of Health Principles)

ناخواندگی کی وجہ سے لوگوں میں حفظانِ صحت کے اصولوں سے واقفیت کی کمی ہے۔ جگہ جگہ گندگی اور غلاظت کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ مکانات ہوادار اور روشن نہیں ہیں۔ آمدورفت کا نظام ناگفتہ بہ ہے۔ ماحولیاتی آلودگی دردِ سر بنی ہوئی ہے۔ عوام ان کی سنگینی کے احساس سے بالکل بے نیاز ہیں۔

5- پست معیارِ زندگی (Low Standard of Living)

پاکستان میں لوگوں کو خوراک، لباس اور رہائش کی مناسب سہولتیں میسر نہیں ہیں، عوام کی اکثریت غربت و افلاس کا شکار ہے اور زندگی کی آسائش سے محروم ہیں۔

6- غیر متوازن غذا (Un-Balanced Diet)

غیر متوازن غذا بھی صحت کو متاثر کرتی ہے۔ پاکستان میں غربت کی وجہ سے خوراک کا معیار بہت گھٹیا ہے۔ لوگوں کی اکثریت کو پیٹ بھر لینا ہی مشکل نظر آتا ہے۔ غیر متوازن غذا صحت کی خرابی اور قوتِ مدافعت کی کمی پیدا کر رہی ہے۔

7- ملاوٹ (Adulteration)

پاکستان میں بیماریوں کی ایک اہم وجہ مختلف اشیاء خوراک میں ملاوٹ ہے جس کی وجہ سے لوگوں کا معیارِ صحت گر رہا ہے۔

مسائل کا حل (Solutions)

i- پاکستان میں امراض کے تدارک کے لیے عوام کو ضروری ادویات فراہم کی جارہی ہیں۔
ii- ڈاکٹروں کی کمی کو دور کیا جارہا ہے۔
iii- صحت مند جسم کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو کنٹرول کیا جائے جس کے لیے کوششیں کی جارہی ہیں۔
iv- ذرائع ابلاغ کے ذریعے لوگوں کو حفظانِ صحت کے اصولوں سے آگاہ کیا جارہا ہے۔
v- حکومت پاکستان اشیاء خورد و نوش میں ملاوٹ کو ختم کرنے کے لیے قوانین کو مؤثر بنا رہی ہے۔
vi- عطائی ڈاکٹروں کی حوصلہ شکنی کی جارہی ہے اور عوام میں ان کے خلاف شعور بیدار کیا جارہا ہے۔
vii- ذرائع ابلاغ اور کانفرنسوں کے ذریعے لوگوں کو اعلیٰ اخلاقی معیار اختیار کرنے کے لیے راغب کیا جارہا ہے۔

تعلیم (Education)

علم نبیوں کی میراث ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے خود فرمایا: ''مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے''۔ آپؐ پر پہلی وحی کا پہلا لفظ تھا: ''اقرأ'' پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے امت کو نصیحت فرمائی کہ ''علم حاصل کرو، اس لیے کہ علم حلال و حرام میں تمیز سکھاتا ہے۔ جنت کا راستہ دکھاتا ہے۔ وحشت کی حالت میں اُنس پیدا کرتا ہے۔ تنہائی کا ساتھی ہے۔ تنگدستی میں دستگیری کرتا ہے۔ دشمن کے مقابلے میں بہترین ہتھیار ہے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ قوموں کو عروج عطا فرماتا ہے۔ قائد، رہنما اور امام پیدا کرتا ہے۔ ان کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کی رائے پر اعتماد کیا جاتا ہے۔'' انھی تعلیمات کی روشنی

میں حکومت پاکستان تعلیم کو ہر شہری کا بنیادی حق سمجھتی ہے اور اس کے لیے کوشاں ہے۔

تعلیم کے فیض سے انسان اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آجاتا ہے۔ اس کی بدولت اس کی فطری صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں اور اس میں انسانیت کا جوہر بدرجۂ اُتم پیدا ہوتا ہے۔ تعلیم کے بغیر معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ترقی ممکن نہیں۔

پاکستان ایک ترقی پذیر جمہوری ملک ہے۔ جمہوری نظام کی کامیابی کا سارا دارومدار ریاست کے شہریوں کے طرزِ عمل پر ہوتا ہے۔ اگر شہری فرض شناس ہوں۔ ووٹ کی صحیح قدر و قیمت سے آگاہ اور اس کے ٹھیک استعمال سے واقف ہوں۔ حکمرانوں پر کڑی نظر رکھنے والے ہوں۔ ملکی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دینے والے ہوں اور اپنے حقوق کے شعور سے پوری طرح بہرہ ور ہوں تو جمہوری نظام پوری کامیابی سے چلے گا۔ اور ریاست ہر لحاظ سے ترقی کرے گی لیکن شہریوں میں یہ ساری خوبیاں مناسب تعلیم ہی کے ذریعے پیدا ہو سکتی ہیں۔ پاکستان ایسی مناسب تعلیم کے لیے کوشاں ہے۔

ڈھانچہ (Structure)

پاکستان کے تعلیمی ڈھانچے کو تین مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1- ابتدائی یا پرائمری تعلیم (Primary Education)

پرائمری تعلیم جماعت اوّل سے پنجم تک ہے۔ وفاقی اور صوبائی حکومتیں کوشش کر رہی ہیں کہ ہر گاؤں کی سطح پر بھی پرائمری سکول قائم کیے جائیں تاکہ تمام لوگوں کو یکساں تعلیم کی سہولت میسر آئے۔

2- ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیم (Secondary and Higher Secondary Education)

یہ مرحلہ چھٹی سے بارھویں جماعت تک شمار کیا جاتا ہے۔ ثانوی حصہ چھٹی سے میٹرک تک چلتا ہے۔ اور اعلیٰ ثانوی گیارھویں اور بارھویں جماعتوں پر مشتمل ہے۔ چھٹی سے آٹھویں تک مڈل اور نویں دسویں کی جماعتوں کو میٹرک تک کی تعلیم کا نام دیا گیا ہے۔ اعلیٰ ثانوی تعلیم کا کورس دو سال کا ہے جس میں آرٹس، سائنس اور کامرس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ثانوی تعلیم میں پانچویں اور آٹھویں جماعتوں کے امتحانات محکمہ ایجوکیشن کی زیرِ نگرانی منعقد ہوتے ہیں جبکہ نویں دسویں جماعتوں کے امتحانات کو بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن منعقد کرواتا ہے۔

3- یونیورسٹی کی تعلیم (University Education)

اعلیٰ ثانوی تعلیم کے بعد یونیورسٹی تعلیم شروع ہوتی ہے جس کے لیے ملک میں کئی یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ یونیورسٹیوں کے علاوہ بہت سارے کالجوں میں بھی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ یونیورسٹی تعلیم کی کئی اقسام ہیں۔ یہ تعلیم بی۔اے، بی۔ایس سی اور ایم۔اے، ایم۔ایس سی پر مشتمل ہے۔ پیشہ ورانہ تعلیم کے لیے طلبا کو متعلقہ پیشہ ورانہ کالجوں میں داخلہ لینا پڑتا ہے۔ اس طرح کامرس، زراعت اور دیگر فنی علوم کی تعلیم کے حصول کے لیے کالج اور یونیورسٹیاں بھی قائم ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

تعلیم کی اقسام

پاکستان میں مختلف اقسام کی تعلیم دی جاتی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1- رسمی تعلیم (Formal Education)

پاکستان میں ہمارے ہاں پرائمری، ثانوی، اعلیٰ ثانوی اور یونیورسٹی سطح پر عام یا روایتی تعلیم فراہم کی جاتی ہے۔ اس تعلیم کا سب

سے اعلیٰ درجہ ایم۔اے اور ایم۔ایس سی ہے۔ اس کا اہتمام سکولوں، کالجوں، پوسٹ گریجوایٹ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کیا جاتا ہے۔اب ہمارے ملک میں پی۔ایچ۔ڈی کی تعلیم کی سہولت بھی موجود ہے۔

2- طبی تعلیم (Medical Education)

1947ء میں پاکستان میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج واحد کالج تھا جو تعلیم کے بعد پاکستان کے حصے میں آیا۔پاکستان کے چاروں صوبوں کے بڑے بڑے شہروں میں نجی اور سرکاری میڈیکل کالج قائم کیے جا چکے ہیں۔

3- انجینئرنگ کی تعلیم (Engineering Education)

اعلیٰ پیمانے کے فنی ماہرین اور انجینئر تیار کرنے کے لیے پاکستان میں ٹیکنیکل، انجینئرنگ کالج اور یونیورسٹیاں موجود ہیں۔

4- زرعی تعلیم (Agricultural Education)

پاکستان ایک زرعی ملک ہے۔زراعت سے آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ وابستہ ہے۔زراعت میں انقلابی تبدیلیاں لانے اور زراعت پر تحقیقات کرنے کے لیے پاکستان ایگریکلچر کونسل قائم کی گئی ہے۔اس کے علاوہ ہر صوبے میں زرعی کالج اور یونیورسٹیاں بھی بنائی گئی ہیں۔

5- قانون کی تعلیم (Law Education)

پاکستان کے بڑے بڑے شہروں لاہور، کراچی، پشاور، کوئٹہ، ملتان اور حیدر آباد میں قانون کی تعلیم کے لیے لاء کالج قائم کیے گئے ہیں۔نجی سطح پر لا کالجوں کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ان اداروں میں اسلامی قانون کی تعلیم کا بھی خصوصی بندوبست ہے۔پاکستان کی وفاقی شریعت کورٹ کے لیے اسلامی ماہرین قانون کی ضرورت ہے جو یہ ادارے مہیا کر رہے ہیں۔

6- تجارتی تعلیم (Commercial Education)

ملک بھر میں کامرس کالج، کمرشل اور ووکیشنل انسٹیٹیوٹس کا جال بچھا دیا گیا ہے۔ملک میں کئی یونیورسٹیاں بھی بزنس ایڈمنسٹریشن کی ڈگریاں عطا کر رہی ہیں۔لاہور میں لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (LUMS)، پنجاب یونیورسٹی اور کراچی میں آغا خان یونیورسٹی اور انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن (IBA) تجارت کی اعلیٰ تعلیم دے رہی ہیں۔نجی سطح پر دیگر ادارے بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

7- کمپیوٹر کی تعلیم (Computer Education)

کمپیوٹر جدید زمانے کی پیداوار ہے۔کمپیوٹر کے ذریعے ہر قسم کا ریکارڈ محفوظ کیا جاتا ہے۔اب پاکستان میں کوئی ایسا ادارہ اور دفتر نہیں جہاں کمپیوٹر رائج نہ ہو۔حکومت پاکستان کمپیوٹر کی اہمیت کے پیش نظر کمپیوٹر کی تعلیم پر خاص توجہ دے رہی ہے۔ملک میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے لیے یونیورسٹیاں قائم کی جا رہی ہیں۔

8- تعلیم برائے اساتذہ (Education for Teachers)

اساتذہ کے لیے جب تک ٹریننگ اور تربیت کا بندوبست نہ کیا جائے وہ بچوں کی تربیت و تدریس کے قابل نہیں ہو سکتے۔پاکستان میں اس مقصد کے لیے ایجوکیشن کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں۔

9- تعلیم بالغاں (Adult Education)

اکنامک سروے آف پاکستان 14-2013ء کے مطابق پاکستان میں شرح خواندگی قریباً 60 فیصد ہے اور بہت سے لوگ ابھی بھی اَن پڑھ اور ناخواندہ ہیں۔ حکومت پاکستان تعلیم بالغاں کی طرف خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ اس مقصد کے لیے ملک بھر میں حکومتی اور غیر حکومتی ادارے (NGOs) مل کر کام کر رہے ہیں۔

10- فاصلاتی تعلیم (Distance learning Education)

فاصلاتی تعلیم کے لیے اسلام آباد میں پیپلز اوپن یونیورسٹی قائم کی گئی جس کا نام بعد میں بدل کر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی رکھ دیا گیا۔ یہ یونیورسٹی فاصلاتی تعلیم کا بندوبست کرتی ہے۔ اس کے ذیلی علاقائی دفاتر سارے پاکستان میں قائم ہیں جہاں طلبہ گھر بیٹھے میٹرک سے لے کر ایم۔اے اور پی، ایچ، ڈی تک ڈگریاں حاصل کر رہے ہیں۔ اسی طرز پر قائم دیگر یونیورسٹیاں بھی سائنس، آرٹس، کمپیوٹر اور دیگر مضامین کی تعلیمی سہولیات فراہم کر رہی ہیں۔

11- صحت وجسمانی تعلیم (Health and Physical Education)

افراد کی صحت کو برقرار رکھنے اور طلبہ کو جسمانی طور پر چاق و چوبند رکھنے کے لیے صحت و جسمانی تعلیم کی اشد ضرورت ہے۔ صحت و جسمانی تعلیم کے لیے ملک میں سکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم ہیں، جہاں مقررہ نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کے بعد اساتذہ سکولوں اور کالجوں میں صحت وجسمانی تعلیم کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں۔

12- مخصوص افراد کی تعلیم (Education for special persons)

مخصوص افراد بھی معاشرے کا حصہ ہیں۔ ان میں نابینا، گونگے، بہرے اور دیگر تمام مخصوص افراد شامل ہیں۔ ان کی ترقی کے لیے ملک میں خصوصی تعلیم کے ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ حکومت نے مخصوص بچوں کی تعلیم اور بحالی کے لیے خطیر رقم مختص کی ہے اور سرکاری اداروں اور ملازمتوں میں 2 فیصد کوٹہ مخصوص افراد کے لیے مقرر کیا ہے۔

13- اسلامی تعلیم (Islamic Education)

اسلامی تعلیم کے لیے پاکستان میں بی۔اے، بی۔ایس سی تک اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دینی تعلیم کے مدارس اور یونیورسٹیاں بھی قائم ہیں جو زیادہ تر نجی شعبے میں چلتے ہیں۔

تعلیمی مسائل (Educational Problems)

تعلیمی مسائل حسب ذیل ہیں:

1- معاشی زبوں حالی (Economic Decay)

ملک کی معاشی زبوں حالی سے تعلیم کا شعبہ بھی متاثر ہے۔ ہمارے ہاں طلبہ کی اکثریت غریب اور متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اشیا کی گرانی اور معاشی تنگدستی نے والدین کو جس طرح پریشان کر رکھا ہے، طلبہ کا متاثر ہونا بھی فطری عمل ہے۔ تعلیمی اخراجات پہلے کی نسبت بہت بڑھ گئے ہیں۔ کتابوں اور دیگر تعلیمی سامان کی گرانی نے والدین اور طلبہ کو پریشان کر رکھا ہے۔ غریب والدین معاشی بدحالی کی بنا پر اپنے بچوں کو سکول بھیجنے سے قاصر ہیں جس سے خواندگی کی شرح میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو رہا۔

-2 سیاسی عدم استحکام (Political Instability)

ملک سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے بھی تعلیمی مسائل کا شکار ہے۔ ہمارا ملک بد قسمتی سے شدید سیاسی بحرانوں میں مبتلا رہا ہے۔ ان بحرانوں کی سنگینی نے بارہا ملک کے آزاد وجود کو بھی خطرے میں ڈالے رکھا ہے۔ سیاست دان بھی سیاسی عدم استحکام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طلبا کو آلہ کار بناتے رہتے ہیں۔ طلبا براہ راست سیاست میں ملوث ہیں۔ سیاسی عدم استحکام کی بنیاد پر جہاں دیگر محکمے عدم توجہی کا شکار ہیں وہاں تعلیم کا شعبہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

-3 آبادی میں اضافہ (Population Growth)

چین بھی افراط آبادی کا شکار رہا لیکن اس نے مختلف منصوبے بنا کر بڑھتی ہوئی آبادی پر قابو پالیا۔ اسی طرح پاکستان افراط آبادی کے مسئلے سے دوچار ہے۔ شرح خواندگی کم ہے۔ حکومت زیادہ سے زیادہ تعلیمی سہولیات کی فراہمی کے لیے کوشاں ہے۔ بجٹ میں زیادہ رقم مختص کی جا رہی ہے۔ نئے تعلیمی ادارے کھولنے کی کوششیں جاری ہیں۔ ان تمام اقدامات کے باوجود آبادی میں تیزی سے اضافے کا رجحان تعلیمی مسائل کو بڑھا رہا ہے۔

-4 فنی و سائنسی تعلیم کی کمی
(Educational Deficiencies in Science and Technology)

مغربی دنیا سائنسی اور فنی تعلیم میں کافی آگے ہے کیونکہ اس نے فنی اور سائنسی تعلیم کی اہمیت کو بہت پہلے محسوس کر لیا تھا۔ اس لیے وہ آج کل سمندروں کی گہرائی پر غالب ہے اور چاند کی سطح پر بھی تسلط حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ پاکستان جیسے مشرقی ممالک نے اس تعلیم کی طرف بہت بعد میں توجہ دی اس لیے یہ تعلیمی میدان میں پسماندگی کا شکار ہے۔ اگر پاکستان غربت وافلاس اور بیروزگاری پر غلبہ چاہتا ہے تو اسے جدید ٹیکنالوجی کے علوم سے نئی نسل کو بہرہ ور کرنا ہوگا۔

-5 پیشہ ورانہ تعلیم کی کمی (Lack of Professional Education)

پاکستان پیشہ ورانہ تعلیمی میدان میں اپنی استعداد کے مطابق کماحقہٗ مختلف کوششوں میں مصروف ہے لیکن حالات یہ ہیں۔ کہ پیشہ ورانہ تعلیمی ادارے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق افرادی قوت فراہم کرنے میں ناکافی ہیں۔ تجارتی، زرعی اور کمپیوٹر کی تعلیم کے ادارے محدود ہیں۔ اور جہاں جہاں یہ ادارے کام کر رہے ہیں وہاں جدید سہولیات کا فقدان ہے۔ یہ پیشہ ورانہ تعلیم کی کمی ملکی ترقی کی رفتار کو سست کر رہی ہے۔

-6 ناخواندگی (Illiteracy)

علم ترقی کا زینہ ہے۔ قدیم وجدید تہذیبوں نے علم ہی کی بدولت عروج حاصل کیا۔ مختلف اقوام کی برتری عالموں اور دانش وروں کی مرہون منت ہے۔ صنعت وحرفت، زراعت، تجارت اور دیگر شعبوں میں پاکستان جہالت وناخواندگی کی وجہ سے پسماندہ ہے۔ اس جہالت نے بے روزگاری، منشیات، غربت، فرقہ واریت، آلودگی اور افراط آبادی کو مزید ہوا دی ہے۔ اس مسئلے نے جمہوریت اور ٹیکنالوجی کی ترقی میں بھی رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔

7- اعلیٰ تعلیم کا فقدان (Lack of Higher Education)

جدید دور مہارت کا دور ہے۔جس ملک نے بھی اس دور میں عروج حاصل کیا ہے، اس نے اعلیٰ تعلیم میں مہارت کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ پی۔ایچ۔ڈی افراد کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔حکومتِ پاکستان کو اس شعبے میں خصوصی توجہ دینی چاہیے تب پاکستان معاشی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

8- بے روزگاری اور طلبا میں بے چینی (Unemployment & Student Unrest)

پاکستان میں لاکھوں افراد بے روزگاری کا شکار ہیں۔روزگار کے مواقع محدود ہیں۔طلبا جب عملی زندگی میں داخل ہوتے ہیں تو انھیں اپنی تعلیم کے مطابق روزگار کے وسائل میسر نہیں آتے جس کے نتیجے میں طلبا میں بے چینی پھیلتی ہے جو معاشی ترقی کے لیے نقصان دہ ہے جس سے تعلیمی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔

9- غیر منظم تعلیمی پالیسیاں (Un-organized Educational Policies)

ہماری تعلیمی پالیسیاں ہمیشہ انتشار کا شکار رہی ہیں۔ایک مخصوص طبقے کی سوچ کو پورے ملک پر مسلط کیا جاتا ہے۔کسی نے بھی ملکی ضروریات کے مطابق تعلیم کو منظم کرنے کی سفارش نہیں کی جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ملک میں بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔صنعتوں کے لیے ماہرین نہیں ملتے۔ٹیکنالوجی کی تعلیم مفقود ہے۔آٹو موبائل ٹیلی کمیونی کیشن، بجلی، ٹرانسپورٹ اور دفاع جیسی صنعتوں کے فروغ کے لیے نظامِ تعلیم میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔عملی تحقیق جو حقیقی ترقی کے لیے ناگزیر ہے، اس کا کالجوں اور یونیورسٹی میں نام ونشان نہیں ملتا۔

10- متضاد نظامِ تعلیم (Contradictory Education System)

پاکستان میں نظامِ تعلیم میں بڑا تضاد پایا جاتا ہے جس نے تعلیمی مسئلے کی شکل اختیار کر لی ہے۔تعلیمی ادارے تین اقسام کے ہیں۔ ایک انگریزی سکول و کالج جس میں ایچی سن کالج، کانونٹ سکول جیسے ادارے شامل ہیں جو صرف جاگیرداروں اور وڈیروں کو تعلیم فراہم کرتے ہیں۔دوسرے عام سکول و کالجز جہاں متوسط طبقے کے لوگوں کو تعلیمی سہولیات فراہم ہیں۔تیسری قسم دینی مدارس کی ہے جو محتاج و غریبوں پر مشتمل ہے۔یہ تعلیمی ادارے اپنے اپنے طبقوں کی نمائندگی کرتے ہیں اور مختلف نصابوں سے تعلیم دیتے ہیں۔ان متضاد تعلیمی اداروں نے یکجہتی اور سالمیت کو داغدار کر دیا ہے۔اور معاشرہ طبقاتی کشمکش کا شکار ہے۔

حل (Solution)

- i- حکومت پاکستان آبادی کے مسئلہ کے حل کے لیے کوشاں ہے۔بہبودِ آبادی کا محکمہ اچھے نتائج برآمد کر رہا ہے۔
- ii- فنی، سائنسی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی طرف توجہ دی جا رہی ہے۔مختلف اقسام کے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی جا رہی ہیں۔
- iii- جہالت و ناخواندگی کی شرح کو کم کرنے کے لیے بھی روایتی تعلیمی ادارے کھولے جا رہے ہیں۔
- iv- بے روزگاری کے خاتمے کے لیے منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔
- v- مختلف صنعتی ادارے قائم کیے جا رہے ہیں۔طلبا کا اضطراب ختم کیا جا رہا ہے اور تعلیمی میدان میں اصلاحات کی جا رہی ہیں تاکہ معاشرے کا اخلاق بلند ہو۔

سوالات

حصہ اوّل (معروضی)

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے:

i- 2013-14ء کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں مردوں کی اوسط عمر کتنی ہے؟

الف۔ 60 سال ب۔ 62 سال
ج۔ 64.6 سال د۔ 66 سال

ii- سرکاری اداروں اور ملازمتوں میں مخصوص افراد کا کوٹہ ہے:

الف۔ 2 فیصد ب۔ 3 فیصد
ج۔ 4 فیصد د۔ 5 فیصد

iii- 2013-14ء کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں شرح خواندگی ہے:

الف۔ 45 فیصد ب۔ 53 فیصد
ج۔ 60 فیصد د۔ 62 فیصد

iv- لاء کالجوں میں کون سی تعلیم دی جاتی ہے؟

الف۔ تجارتی تعلیم ب۔ زرعی تعلیم
ج۔ قانون کی تعلیم د۔ طبی تعلیم

v- 2013-14ء کے دوران پاکستان میں جی۔ ڈی۔ پی کا کتنے فیصد صحت پر خرچ کیا گیا؟

الف۔ 0.25 فیصد ب۔ 0.35 فیصد
ج۔ 0.75 فیصد د۔ 1 فیصد

vi- علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا ہیڈ آفس کہاں ہے؟

الف۔ لاہور ب۔ اسلام آباد
ج۔ کراچی د۔ ملتان

vii- اعلیٰ ثانوی تعلیم کا کورس کتنے سال کا ہوتا ہے؟

الف۔ 5 سال ب۔ 4 سال
ج۔ 3 سال د۔ 2 سال

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجیے:

i- حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے علم حاصل کرنے پر کیوں زور دیا؟

ii- متضاد نظام تعلیم سے کیا مراد ہے؟

iii- پاکستان میں بیماریوں کی روک تھام کے لیے کیے گئے کوئی سے دو اقدامات بیان کریں۔

iv- رسمی تعلیم سے کیا مراد ہے؟

v- افراط آبادی سے کون سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں؟

vi- یونیورسٹی کی تعلیم سے کیا مراد ہے؟

vii- مناسب تعلیم سے شہریوں میں کون سی خوبیاں پیدا کی جاسکتی ہیں؟

viii- صحت سے کیا مراد ہے؟

ix- صحت کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے ضلعی حکومتیں کیسے کام کرتی ہیں؟

x- تعلیمی مسائل کے حل کے لیے حکومتی سطح پر کیے جانے والے پانچ اقدامات بیان کیجیے۔

حصہ دوم (انشائیہ)

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیجیے:

i- پاکستان میں صحت عامہ کی بہتری کے لیے کون کون سے اقدامات اٹھائے گئے ہیں؟

ii- پاکستان میں صحت عامہ کو درپیش مسائل کا احاطہ کیجیے۔

iii- پاکستان کے تعلیمی ڈھانچے کی وضاحت کیجیے۔

iv- تعلیم کی اقسام کا جائزہ لیجیے۔

v- تعلیمی پسماندگی کی وجوہات تحریر کیجیے۔

باب 4

پاکستان میں معاشرتی نظم وضبط

(Social Order in Pakistan)

مفہوم (Meaning)

معاشرتی نظم وضبط (Social Order) کا لفظی معنی معاشرتی نظم یا ترتیب کے ہیں لیکن اصطلاحاً کسی ریاست میں شہریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنا، ان کی جان ومال کی نگرانی کرنا، امن وامان بحال کرنا اور عدل وانصاف فراہم کرنا معاشرتی نظم وضبط کہلاتا ہے۔ زمانہ ماضی میں جب تک نظم وضبط مفقود رہا، ریاستیں مختلف زبانوں کا شور اور محض آبادیوں کا ہجوم تھیں۔ جونہی معاشرتی نظم وضبط کا آغاز ہوا ریاستیں عوام کی محافظ بن گئیں۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں صحیح معاشرتی نظم وضبط کی علمبرداری ہوئی۔ اسلامی سلطنت مضبوط ہوئی اور اس کی چاردیواری وسیع ہوئی۔ گویا ریاستوں کو محافظی حیثیت معاشرتی نظم وضبط کی عطا کردہ ہے۔

معاشرتی نظم وضبط کی اہمیت (Significance of Social Order)

معاشرتی نظم وضبط سے ایک معیاری ریاست کا وجود عمل میں آتا ہے۔ تمام معاشرتی اور سیاسی گروہوں کو حکومتی کاروبار میں برابر شریک کیا جاتا ہے۔ درج ذیل نکات سے معاشرتی نظم وضبط کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

1- عدل وانصاف کی فراہمی

معاشرتی نظم وضبط سے عدل وانصاف کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔ کسی فرد یا طبقے کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوتی اور ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جاتا ہے۔

2- جمہوری اقدار کا فروغ

اچھا معاشرتی نظم وضبط جمہوری اقدار مثلاً آزادی، مساوات اور رواداری کو فروغ دیتا ہے، تشدد اور دہشت گردی ختم ہو جاتی ہے اور تمام افراد کو برابر کے حقوق دیے جاتے ہیں۔

3- جان ومال کی حفاظت

جان ومال کی حفاظت اور عزت وآبرو کا تحفظ مضبوط معاشرتی نظم وضبط کے بغیر ممکن نہیں۔ اچھے معاشرتی نظم وضبط سے جرائم میں بھی کمی آتی ہے اور لوگ امن کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

4- بدعنوانی کا خاتمہ

ایک ریاست میں بہتر معاشرتی نظم وضبط کی بنیاد پر ہر قسم کی معاشرتی برائیوں مثلاً اقربا پروری، رشوت اور ناجائز منافع خوری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اگر انتظامیہ میں کوئی بدعنوان عنصر موجود ہو تو اسے نکال دیا جاتا ہے۔ صرف ایماندار اور صالح انتظامیہ ہی احسن طریقے سے اپنے فرائض سرانجام دے سکتی ہے۔

5- خوش حال معاشرے کا قیام

ملک میں تجارتی، صنعتی اور زرعی ترقی، بہتر معاشرتی نظم وضبط کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی نظام کی بدولت لوگ تعلیم اور صحت وغیرہ کے میدان میں ترقی کرتے ہیں اور ملک معاشی، معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے خوشحالی کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔

6- بہتر منصوبہ بندی

اچھے معاشرتی نظم وضبط کی بنیاد پر ملک وقوم کی ترقی کے لیے بہتر منصوبہ بندی کی جا سکتی ہے۔ دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک بہتر منصوبہ بندی کی بدولت آج اس مقام پر ہیں۔

7- حکومت اور عوام میں رابطہ

اچھے معاشرتی نظم وضبط کی بنیاد پر حکومت اور عوام میں قریبی روابط قائم ہوتے ہیں اور عوام کے مسائل کے حل کے لیے لوگوں میں یکجہتی پیدا ہوتی ہے، ان کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے پروگرام بنائے جاتے ہیں جس سے عوام کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔

اسلامی تناظر میں آزادی، انصاف، اصول معدلت اور اختیارات کے حصول کے لیے معاشرتی نظم وضبط کے تقاضے

(Requisits of Social Order in Islamic perspective for fulfilling liberty, Justice, Equity and Authority)

اسلام معاشرتی نظم وضبط پر بڑی شدت سے زور دیتا ہے کیونکہ معقول معاشرتی نظم وضبط کے بغیر ریاست کے اندر افراد کی جان و مال اور امن وامان کی کیفیت مضطرب رہتی ہے۔ ان کا آرام وسکون تباہ ہو جاتا ہے اور وہ دلجمعی سے اپنے مشاغل کو کما حقہٗ عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ انتشاری کیفیت افراد کے لیے تکلیف دہ رہتی ہے۔

درج ذیل تقاضے پورے کرنے کے لیے بہتر نظم وضبط کا ہونا بہت ضروری ہے:

i- آزادی کا محافظ ***(Guardian of Liberty)***

اسلام میں آزادی کی حفاظت صرف مضبوط معاشرتی نظم وضبط کی مرہون منت ہے۔ اس لیے صالح اور نیک منتظم ہی ایسا کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں لوگوں کو آزادیاں میسر تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "میں کسی شخص کو اس کا موقع نہ دوں گا کہ وہ کسی کی حق تلفی یا کسی پر زیادتی کرے"۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ "مجھے خلیفہ رہنے کا حق نہیں اگر میں لوگوں کے حقوق اور آزادیوں کی حفاظت نہ کر سکوں"۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں مسلم اور غیر مسلم سے ایک جیسا سلوک روا رکھا جاتا رہا کیونکہ وہ خدا اور عوام کے سامنے جوابدہ تھے۔ انھی آزادیوں کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دربار میں تنقید کا سامنا کیا۔ انھوں نے ایک گورنر کو اس لیے معزول کر دیا کہ اس نے ایک غلام کے بیٹے کے ساتھ مساوی سلوک نہ کیا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ گورنر یمن ایک بہترین منتظم ثابت ہوئے کیونکہ انھوں نے لوگوں کے حقوق و آزادیوں کی حفاظت فرمائی۔ جونہی شخصی حکومت کا آغاز ہوا خلیفہ اپنی مرضی کرنے لگ گئے اور لوگوں کی آزادیاں انتشار کا شکار ہو گئیں۔ بہرکیف ماحول بدامنی کی نذر ہو گیا۔

ii- عدل وانصاف کا حصول (Justice)

عدل وانصاف کو قائم رکھنے کے لیے خصوصی ذمہ داریاں معاشرتی نظم وضبط کا اہتمام کرنے والے اداروں کو سونپی جاتی ہیں۔ اسلام میں عدل وانصاف کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ شہری حصولِ انصاف کے لیے عدلیہ سے رجوع کرتے ہیں۔ اسلام فوری انصاف پر زور دیتا ہے۔ اس سلسلے میں تاخیر کو ناانصافی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انسانی عظمت، عزت نفس اور مساوات پر مبنی معاشرہ تب ہی زندہ رہ سکتا ہے جب وہاں انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی سربلندی اور نظم وضبط کی عظمت کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قاضی کے سامنے عدالت میں پیش ہونا پڑا۔

iii- اصول معدلت (Equity)

کبھی کبھی قاضی کے پاس ایسے مقدمات آتے ہیں جن کے بارے میں قرآن پاک خاموش ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں قاضی اپنی مرضی اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے ہیں جنھیں اسلامی قانون میں اجتہاد کہتے ہیں۔ اصولِ معدلت کے تقاضے تب ہی پورے ہونا ممکن ہیں جب نظم وضبط کی حکمرانی ہو اور کسی کو انکار کی جرأت نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصول معدلت کو بروئے کار لانے، لوگوں کے تحفظ اور انصاف کی فراہمی کے لیے پولیس کا محکمہ قائم کیا تھا۔

iv- اختیارات کا استعمال (Authority)

اختیارات وہ طاقت ہے جس کی بنا پر ریاست میں امن وامان کی کیفیت کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ انصاف کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں باقاعدہ معاشرتی نظم وضبط کی ابتدا ہوئی، اس لیے انھیں اپنے اختیاراتِ خلافت کے استعمال کرنے میں کوئی امر مانع نہ تھا لیکن وہ اختیارات فردِ واحد کے اختیارات نہ تھے بلکہ ان کے پیچھے قرآن وسنت کی تعبیر اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی تقلید شامل تھی۔ خلفائے راشدینؓ کے دور میں معاشرے میں سکون، خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہا۔

پاکستان میں معاشرتی نظم وضبط کی موجودہ حالت

(Prevailing Situation of Social Order in Pakistan)

پاکستان میں معاشرتی نظم وضبط کی موجودہ حالت بہتر ہے۔ ہر ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر (D.P.O) اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ ضلع میں پولیس، ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر (D.P.O) کے ماتحت اپنے فرائض سرانجام دیتی ہے۔ ہر پولیس سٹیشن میں رپورٹنگ افسر اور تفتیشی افسر مقرر کیے گئے ہیں۔ عوام کو تحفظ دینے اور انصاف کی فراہمی کے لیے حکومت نے ہر ضلع میں ایک پبلک سیفٹی کمیشن (District Public Safety Commission) قائم کیا ہے۔ ملک میں معاشرتی نظم وضبط کی جڑیں مضبوط ہیں اور امن وامان قائم ہے۔

فلاحی ریاست میں حصول انصاف کے لیے اسلامی اقدار کا کردار
(Role of Islamic Values in Welfare State for maintaining Justice)

اسلام کسی جامد شے کا نام نہیں بلکہ دین اسلام حرکت و انقلاب سے عبارت ہے۔ جناب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ انسانیت میں وہ واحد شخصیت ہیں جنھوں نے دین اور دنیا میں اپنے لیے جن مقاصد کا تعین کیا انھیں اپنی زندگی میں انتہائی کامیاب طریقے سے حاصل کیا۔ ان کی ذات اقدس میں بہترین نمونہ عمل موجود ہے۔ انھوں نے یکم ہجری کو مدینہ میں ایک ایسی اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

ایک فلاحی ریاست میں اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں لایا جاتا ہے۔ آزادی، معاشرتی انصاف، مساوات اور جمہوری نظام کے صحیح خدوخال اپنانے کے لیے عمال وحکام کا ذمہ دار ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے فرائض دیانت، امانت، رواداری اور انسانی دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے سرانجام دیں۔ قومی خزانے کا استعمال امانت سمجھتے ہوئے کریں۔ ریاکاری اور مصلحت سے کام نہ لیں۔ اپنی ذمہ داریاں ذاتی لالچ اور طمع سے بے نیاز ہوکر عبادت سمجھ کر ادا کریں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے ہر ایک کی حیثیت ایک گڈریے کی سی ہے جو اپنے ریوڑ کے تحفظ کا ضامن ہے۔ حکومت کی حیثیت بھی ایک گڈریے کی سی ہے جو ریوڑ کی چوکیدار ہے۔''

آپؐ نے مزید فرمایا ''حکومت اس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔''

اسلامی اقدار کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو گلیوں کا چکر خود لگاتے تھے تاکہ عوام کی پریشانیوں کا جائزہ لیا جا سکے۔ رات کے وقت آپؓ اپنی پیٹھ پر غلہ لاد کر ضرورت مندوں کے گھر پہنچاتے تھے۔ عدل وانصاف کی حاکمیت اور معاشرتی نظم وضبط کا عمدہ نمونہ خلافت راشدہ کے دور میں پیش ہوتا رہا ہے۔

ہر اسلامی دور میں انصاف کے میدان میں اسلامی اقدار کی قندیلیں روشن رہیں۔ اسلامی تاریخ بے شمار ایسی مثالوں سے لبریز ہے۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''زید رضی اللہ عنہ قاضی نہیں ہو سکتے جب تک عمر رضی اللہ عنہ اور ایک عام مسلمان ان کے نزدیک برابر نہ ہوں۔'' یہ فقرہ آپؓ نے اس وقت کہا جب آپؓ ابی بن کعب کے خلاف حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوئے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے فرمایا ''عمدہ امن، عمدہ نظام عدل کی بنا پر ممکن ہے۔ اور قیام عدل ہی ریاست کا سب سے بڑا فرض ہے۔'' مسلمان فلاسفر اور فقہا کا فیصلہ ہے کہ ''کافر منصف حکمران، مسلمان ظالم حکمران سے بہتر ہے۔''

اسلامی تاریخ سے دی گئی مثالیں اس بات کی ترجمانی کرتی ہیں کہ انصاف اور معاشرتی نظم وضبط کے قیام کے لیے اسلامی اقدار رہنما اصولوں کا کام سرانجام دیتی ہیں۔

پاکستان میں پولیس کا کردار (Role of Police in Pakistan)

پاکستان میں پولیس کی ذمہ داریاں بڑی وسیع ہیں۔ ہر صوبے میں پولیس کا نیٹ ورک موجود ہے جسے صوبائی حکومت کنٹرول کرتی ہے۔ وفاقی حکومت کی علیحدہ پولیس بھی ہے جو مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں فرائض ادا کرتی ہے۔ محکمۂ پولیس کے فرائض مختلف النوع ہیں۔ ان کی نوعیت نہایت حساس ہے۔ کئی شعبے قائم ہیں جو محکمے کے مختلف اقسام کے فرائض نبھاتے ہیں۔ پولیس اگر

پوری طرح چوکس ہو تو عوام اطمینان اور سکون سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس کے فرائض مندرجہ ذیل ہیں:

1- امن و امان کا قیام

پولیس کا اہم ترین فریضہ امن و امان قائم کرنا، عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرنا ہے۔ پولیس کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو مکمل تحفظ دے تاکہ وہ سماج دشمن عناصر کی زیادتیوں سے محفوظ رہیں۔ پولیس اگر امن و امان کو یقینی بنانے میں کامیاب ہو جائے تو مختلف شعبہ ہائے زندگی ترقی کی طرف گامزن رہتے ہیں۔

2- جرائم پر کنٹرول

ریاست میں رائج قوانین پر عمل درآمد کروانا اور غیر قانونی سرگرمیوں سے معاشرے کو پاک رکھنا پولیس کی ذمہ داری ہے۔ وہ چوری، ڈاکے، اغوا، سمگلنگ، ڈکیتی، جوا اور ایسے ہی دوسرے جرائم کی روک تھام کے لیے مصروفِ عمل رہتی ہے۔ وہ مجرموں کو پکڑتی اور قانون کے مطابق عدالتوں سے انھیں سزا دلواتی ہے۔ جرائم پیشہ افراد پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے اور اُن کا مکمل ریکارڈ پولیس سٹیشنوں میں رکھا جاتا ہے۔ فنگر پرنٹس لیے جاتے ہیں اور اُن کی تصویریں موجود ہوتی ہیں۔ اگر کوئی جرم سرزد ہوتا ہے تو پولیس کو ریکارڈ کی مدد سے مجرم تک پہنچنے میں آسانی رہتی ہے۔

3- دہشت گردی کی روک تھام

ملک میں دہشت گردی کا مسئلہ بڑا گھمبیر صورت اختیار کر گیا ہے۔ ملک دشمن عناصر عوام میں بے چینی اور خوف پیدا کرنے کے لیے مختلف کارروائیاں کرتے ہیں۔ وہ دھماکے کرتے ہیں، ریلوے لائنوں، پلوں اور قیمتی قومی املاک کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ پولیس نے ایسے عناصر کے خلاف منظم کارروائیاں کرنے کے لیے "اینٹی ٹیررسٹ سیل (Anti-Terrorist Cell)" بنایا ہوا ہے۔ ایک ڈی۔ آئی۔ جی اس سیل کا سربراہ ہے۔ یہ سیل مسلسل ایسے گروہوں اور تنظیموں پر نظر رکھتا ہے جو دہشت گردی میں ملوث رہتے ہیں۔ پولیس کے دیگر شعبے اینٹی ٹیررسٹ سیل سے تعاون کرتے ہیں۔ مجرموں کو پکڑ کر عدلیہ کے ذریعے سزائیں دلوائی جاتی ہیں۔ دہشت گردی کو ختم کرنے کے لیے ملک میں بیک وقت کئی ایجنسیاں بھی کام کر رہی ہیں۔

4- پُرامن عوامی اجتماعات

ملک بھر میں سماجی، ثقافتی، مذہبی اور سیاسی تنظیمیں اجلاس بلاتی ہیں، جلوس نکالتی ہیں اور مختلف سرگرمیوں میں مصروف رہتی ہیں۔ بعض عناصر ان تنظیموں کی مخالفت میں دہشت گردی کے ذریعے امن و امان کی فضا کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پولیس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے اجتماعات اور جلوسوں کو بحفاظت اپنا کام کرنے کا موقع دے اور تخریبی کارروائیوں کی روک تھام کرے۔ محرم کے موقع پر پولیس خاص طور پر چوکنا رہتی ہے اور منفی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے بھرپور منصوبہ بندی کے ساتھ کام کرتی ہے۔

5- پروٹوکول کی ذمہ داری

پولیس کی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر ملکی سفارت خانوں کی حفاظت کرے اور ملکی اور غیر ملکی اہم شخصیات کو مکمل تحفظ مہیا کرے۔ پولیس خاص طور پر صدرِ مملکت، وزیرِ اعظم، گورنر، وزرائے اعلیٰ اور دیگر اہم سیاسی شخصیتوں کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت مصروف رہتی ہے۔ ان شخصیات کو دورانِ سفر پروٹوکول مہیا کیا جاتا ہے۔ ملک کے اہم سیاستدانوں اور مذہبی راہنماؤں کے لیے بھی پولیس کی جانب

سے مکمل حفاظتی اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔

6- ٹریفک پر کنٹرول

شہریوں کو سڑکوں پر سفر کے دوران تحفظ مہیا کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ٹریفک رولز بنائے گئے ہیں اور ان رولز پر عمل درآمد کے لیے پولیس کا ایک علیحدہ شعبہ ٹریفک پولیس کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ پولیس کے اہل کار سڑکوں اور چوراہوں پر موجود رہتے ہیں اور قواعد کے مطابق ٹریفک کو گزارتے ہیں۔ اگر کوئی شہری بغیر لائسنس گاڑی چلا رہا ہو یا ٹریفک قواعد کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو تو اُس کا چالان کیا جاتا ہے۔ ٹریفک پولیس حادثات کی روک تھام کر کے شہریوں کی قیمتی جانیں بچانے کا اہتمام بھی کرتی ہے۔

7- شکایات کا ازالہ

شہری مل جل کر رہتے ہیں تو اُن کے مابین تنازعات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کسی شہری سے زیادتی ہو تو وہ پولیس سے رجوع کرتا ہے اور اپنی شکایت درج کراتا ہے۔ پولیس قانون شکن افراد کے خلاف کارروائی کرتی ہے اور پُرامن شہریوں کو تحفظ کا احساس دلاتی ہے۔ عوامی شکایات کو دور کرنے کے لیے پولیس سٹیشن مسلسل کام کرتے ہیں اور ضروری قانونی کارروائی کر کے عوامی اعتماد کو بحال رکھتے ہیں۔ خواتین کی سہولت کے لیے حکومت نے بڑے شہروں میں خواتین کے علیحدہ پولیس سٹیشن قائم کر دیے ہیں۔ ان سٹیشنوں میں عملہ خواتین پر مشتمل ہوتا ہے۔

8- ہائی وے پٹرولنگ

مسافروں کی جانوں اور اُن کی املاک کی حفاظت کے لیے چھوٹی اور بڑی شاہراہوں پر پولیس کے دستے پٹرولنگ کرتے رہتے ہیں۔ راہزنوں، ڈاکوؤں اور دیگر جرائم پیشہ افراد کی کارروائیوں کی روک تھام کے لیے پولیس خصوصی بندوبست کرتی ہے۔ پولیس اہلکار کاروں اور موٹر سائیکلوں پر گشت کرتے عام دکھائی دیتے ہیں۔ ہائی وے پولیس کو محکمے کے دیگر شعبوں کی مدد بھی حاصل ہوتی ہے۔ پولیس کے یہ دستے حادثات کی صورت میں زخمی مسافروں کو ہسپتالوں تک پہنچاتے ہیں۔

9- کرائم برانچ

ہر صوبے میں جرائم پر قابو پانے کے لیے قائم کرائم برانچوں کے فرائض میں اضافہ کیا گیا اور ان میں کسٹمز، نارکوٹکس کنٹرول بورڈ اور ایکسائز کے اہل کار بھی شامل کیے گئے ہیں۔ یہ اشتراکِ عمل مفید ثابت ہوا اور جرائم کی روک تھام میں بڑی مدد ملی۔ اب کرائم برانچوں کو جدید خطوط پر منظم کیا گیا ہے۔ برانچ کا سربراہ ڈی۔ آئی۔ جی ہوتا ہے اور برانچ میں فنگر پرنٹس بیورو اور ایک سائنس لیبارٹری قائم کی گئی ہے۔ کرائم برانچ کاروں کی چوری اور بینکوں میں ڈکیتی کی روک تھام کرتی ہے۔

10- حکومتی محکموں کی امداد

مرکزی اور صوبائی حکومت کے مختلف محکموں مثلاً مال، ایکسائز، کسٹم، آبپاشی، ریلوے، جیل خانہ جات نیز میونسپل اداروں کو بعض اوقات پولیس کی امداد کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ یہ محکمے محصولات کے حصول کے لیے پولیس کا تعاون حاصل کرتے ہیں۔ محکمہ ریلوے کا پولیس کا شعبہ الگ ہے لیکن وہ بھی صوبائی پولیس کی اعانت سے اپنے فرائض ادا کرتا ہے۔

سوالات

حصہ اوّل (معروضی)

I- ہر سوال کے چار جواب دیے گئے ہیں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

i- معاشرتی نظم وضبط کا لفظی معنی کیا ہے؟

ا۔ معاشرتی حکم ب۔ حکومتی کاروبار

ج۔ خوشحالی د۔ عدل وانصاف

ii- کون سی جمہوری اقدار ہیں؟

ا۔ اقربا پروری اور رشوت ب۔ آزادی اور مساوات

ج۔ تشدد اور دہشت گردی د۔ جہالت اور ناخواندگی

iii- اہم شخصیات کی حفاظت کے لیے پولیس جو حفاظتی اقدامات کرتی ہے انھیں کیا کہا جاتا ہے؟

ا۔ شاہراہوں پر گشت ب۔ جرائم کا خاتمہ

ج۔ پروٹوکول د۔ خوف اور بے چینی

iv- محکمہ پولیس میں ''کرائم برانچ'' کا سربراہ کیا کہلاتا ہے؟

ا۔ سیکرٹری ب۔ ایکسائز انسپکٹر

ج۔ ڈپٹی کمشنر د۔ ڈی۔آئی۔جی

v- کون سے خلیفہ رات کو گلیوں کا چکر لگا کر عوام کی پریشانیوں کا جائزہ لیتے تھے؟

ا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ب۔ حضرت عمرؓ

ج۔ حضرت عثمانؓ د۔ حضرت علیؓ

vi- ''حکومت اس کی سرپرست ہے، جس کا کوئی سرپرست نہ ہو'' یہ کس کا فرمان ہے؟

ا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم ب۔ حضرت زیدؓ

ج۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ د۔ سید اسماعیل شہیدؒ

vii- مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد کب رکھی گئی؟

ا۔ 4 ہجری ب۔ 3 ہجری

ج۔ 2 ہجری د۔ یکم ہجری

viii- حضرت معاذ بن جبلؓ کس علاقے کے گورنر تھے؟

ا۔ شام ب۔ عراق

ج۔ ایران د۔ یمن

-2 درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجیے:

i- حضرت شاہ ولی اللہؒ نے نظامِ عدل کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

ii- اختیارات سے کیا مراد ہے؟

iii- ٹریفک کو کنٹرول کرنے کے لیے ٹریفک پولیس کیا کردار ادا کرتی ہے؟

iv- پاکستان میں معاشی نظم وضبط کی موجودہ حالت کیسی ہے؟

v- "ہائی وے پٹرولنگ" سے کیا مراد ہے؟

حصہ دوم (انشائیہ)

-3 درج ذیل سوالات کے جواب تفصیل سے دیجیے:

i- نظم وضبط کا مفہوم اور اہمیت بیان کیجیے۔

ii- اسلامی تناظر میں آزادی، انصاف، اصول معدلت اور اختیارات کے حصول کے لیے معاشرتی نظم وضبط کے تقاضے بیان کیجیے۔

iii- فلاحی ریاست میں حصول انصاف کے لیے اسلامی اقدار کا کیا کردار ہے؟

iv- پاکستان میں پولیس کے فرائض بیان کیجیے۔

باب 5

قومی یکجہتی وسالمیت

(National Integration and Cohesion)

مفہوم (Meanings)

کسی ملک کی بقا اور استحکام کے لیے قومی یکجہتی وسالمیت کسی نعمت سے کم نہیں۔ جس کی بنا پر وہ قوم اپنی آزادی اور قومی وقار کو برقرار رکھنے کے قابل ہوتی ہے نیز بیرونی خطروں کا مقابلہ اور اندرونی فتنوں کا سدِ باب کر سکتی ہے۔ بہر حال کسی قوم کے اندر یکجہتی وسالمیت کے پائے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ قوم باہمی متحد و منظم ہو، اس کے اندر اختلافات نام کی کوئی چیز نہ ہو۔ اس کے خیالات واحساسات میں ہم آہنگی ہو اور ہر فرد دوسرے افراد کے لیے اور ہر گروہ دوسرے گروہوں کے لیے قربانی، خلوص اور اشتراکِ عمل کا جذبہ رکھتا ہو۔ کوئی ملک اس وقت تک مضبوط نہیں ہو سکتا جب تک اس کے شہریوں کے مابین ہمدردی، تعاون اور ایثار ومحبت کے جذبات موجزن نہ ہوں اور مختلف طبقے وگروہ اپنے اختلافات وتنازعات دفن کر کے وحدت و یگانگت اور باہمی اتحاد کے زیور سے آراستہ نہ ہوں۔ اس لیے ہر ملک قیامِ عدل وانصاف، مشترکہ دفاع کے فروغ، عوام کی فلاح وبہبود اور آزادی کی برکات وعافیت کی خاطر ایسے اقدامات کرتا ہے جن سے لوگوں کے مابین اشتراک وتعاون، تہذیبی وثقافتی یکسانیت اور ایثار ومحبت کے جذبات پیدا ہو سکیں۔ قومی وحدت کا یہی منتہائے مقصود ہے۔ اسی لیے مفکرِ پاکستان علامہ اقبالؒ نے قومی یکجہتی وسالمیت کی جامع تشریح یوں فرمادی۔

ے فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اہمیت (Importance)

1- نظریہ پاکستان کا تحفظ (Safety of Ideology of Pakistan)

پاکستانی قومیت کی واحد بنیاد اسلام ہے۔ پاکستان محض کسی مخصوص جغرافیائی خطے کا نام نہیں بلکہ درحقیقت ایک نظریے کا نام ہے اور وہ نظریہ اسلام ہے۔ برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں نے حصولِ پاکستان کے لیے اس لیے ایک طویل عرصے تک جدوجہد نہیں کی تھی کہ ہندوستان کے بعض علاقے انگریزی تسلط اور ہندوؤں کے تعصب سے آزاد ہو کر ایک الگ مملکت بن جائیں بلکہ مسلمانانِ برصغیر کو ایک آزاد علاقہ میسر آجائے جہاں وہ اسلامی اُصولوں کے مطابق ایک ریاست کی تعمیر کر سکیں۔ اس طرح ان کو اپنے ایمانی عقیدے کے مطابق ایک دارالسلام بھی میسر آجائے اور وہ اس میں اسلامی نظام کے قیام کے ساتھ دنیا پر اسلامی نظامِ حیات کی فوقیت اور برتری ثابت کر سکیں۔ اب پاکستانی قوم پر فرض ہے کہ وہ اس نظریے کا تحفظ کرے اور اس کا تحفظ صرف قومی یکجہتی اور اتحاد وتعاون سے ہی ممکن ہے۔

2- صوبائیت پرستی کا خاتمہ (Eradication of Provincialism)

پاکستان ایک وفاقی ریاست ہے جو چار صوبوں اور کچھ قبائلی علاقوں پر محیط ہے۔ قومی یکجہتی وسالمیت کو تباہ کرنے والے عناصر

میں سے صوبائیت پرستی کا فتنہ سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ المیہ مشرقی پاکستان کا بنیادی سبب بھی یہی فتنہ تھا۔ ہمارے ملک میں اب بھی بعض لوگ علاقائیت، لسانی اختلافات اور صوبائیت پرستی جیسے فتنوں کو ہوا دینے میں مصروف ہیں۔ ایسا کرنے والے چند تنگ نظر اور مفاد پرست عناصر ہیں جو ملکی سالمیت کے لیے سراسر خطرہ ہیں۔ ان تخریبی قوتوں اور تفرقہ پرور رجحانات کی بیخ کنی کے لیے ضروری ہے کہ قومی یکجہتی و سالمیت کے جذبات کو فروغ دیا جائے۔ یہ صرف حکومت کی قوت سے ہی ممکن ہے کیونکہ شر پسند عناصر کو دلیل کی زبان کی بجائے طاقت کی زبان سے بات سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

-3 معاشی خوشحالی *(Economic Prosperity)*

کسی ملک کی معاشی ترقی کا انحصار تین اہم اقدامات زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت پر ہوتا ہے۔ زراعت کی ترقی سے صنعت وحرفت کا گراف بڑھے گا۔ صنعتی ترقی سے تجارت کو فروغ نصیب ہوگا۔ ملک مضبوط اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوگا۔ لوگ پُرسکون زندگی بسر کریں گے۔ ملکی وقار بلند ہوگا اور دیگر ممالک سے تعلقات میں اضافہ ہوگا۔ پاکستان کی معاشی ترقی صرف اس بات میں مضمر ہے کہ ملک کے تمام شہری اپنے لسانی وگروہی اختلافات کو دُور کر دیں۔ ملک کی بقا، سلامتی اور یکجہتی کا تحفظ کریں۔ اگر خدانخواستہ قومی وحدت وسالمیت کا تانا بانا بکھر گیا تو ملک تخریب کاری وفساد کی نظر ہو جائے گا اور اس کی بقا خطرے میں پڑ جائے گی۔

-4 جمہوریت کی ترقی *(Development of Democracy)*

پاکستان ایک عظیم عوامی تحریک کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا اور دور جدید میں دنیا میں مہذب اقوام نے عوامی طاقت اور جمہوری نظام کے بل بوتے پر حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ جن ممالک میں عوام کا عمل دخل نہ ہو وہ ممالک ہرگز ترقی کی راہ پر نہیں چل سکتے۔ اسی لیے جمہوری نظام کو آج دنیا میں انتہائی پسندیدہ اور قابل قبول نظام خیال کیا جاتا ہے۔ جمہوریت میں تمام افراد کی حیثیت یکساں وبرابر ہوتی ہے۔ عوام اپنے نمائندوں کے ذریعے اقتدار میں شریک ہوتے ہیں اور بحیثیت مجموعی عوام کی بہتری اور خوشحالی کے لیے کام کیا جاتا ہے۔ ملک میں غیر جانبدارانہ انتخاب ہوتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کی اہمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ تنقید قابلِ برداشت ہوتی ہے۔ ووٹ کا تقدس بحال رہتا ہے۔ ملک میں تشدد اور نفرت نام کی کوئی شے نہیں ہوتی۔ جمہوریت کی ترقی کا راز صرف اسی ایک تصور میں پنہاں ہے کہ لوگ اتحاد ویکجہتی کے اصولوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کریں اور قومی وحدت اور اشتراک وتعاون کی پیروی کریں ورنہ جمہوریت کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا اور ملک کی سیاسی زندگی روبہ زوال ہو جائے گی۔

-5 دفاعی مضبوطی *(Strong Defence)*

پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد بے شمار سیاسی، معاشی اور دفاعی مشکلات کا شکار رہا۔ ہندو قیادت نے پاکستان کو کبھی بھی دل سے قبول نہیں کیا۔ ہندوستان پاکستان پر تین جنگیں مسلط کر چکا ہے اور آئے دن تخریب کاری کے ذریعے ملک کی اندرونی سالمیت کو کمزور کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی بھی اس کی سازشوں سے ہی ممکن ہوئی۔ اب اس کی نظریں باقی ماندہ پاکستان پر لگی ہوئی ہیں۔ ان حالات میں اپنی دفاعی صلاحیتوں کو موثر بنانے اور اندرونی وبیرونی تحفظ کے لیے قومی یکجہتی وسالمیت کو فروغ دینا وقت کی اشد ضرورت ہے۔ کسی بھی قوم کا مضبوط دفاع اندرونی اتحاد ویکجہتی سے ممکن ہے۔

6- اسلامی تہذیب وثقافت کی حفاظت
(Protection of Islamic Civilization and Culture)

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی اور تہذیبی ریاست ہے لیکن اس کے چاروں صوبے مختلف عناصر کا مجموعہ ہیں اور اپنی اپنی جداگانہ خصوصیات رکھتے ہیں۔ پاکستان کے مختلف حصوں میں بسنے والے لوگوں کی زبانیں بھی مختلف ہیں مگر اس کے باوجود اسلامی تہذیب وثقافت نے قومی ثقافت و یکجہتی کو فروغ دیا اور ملک کی وحدت کو مضبوط کیا۔

7- فرقہ واریت اور انتہا پسندی کا خاتمہ *(End of Sectarianism)*

فرقہ واریت اور انتہا پسندی ایک خطرناک زہر ہے جو کسی بھی معاشرے کے اتحاد کو پارہ پارہ کرسکتی ہے۔ پاکستان میں کئی مذہبی اور لسانی گروہ موجود ہیں۔ ان کے درمیان اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی اقدار کو فروغ دے کر قومی یکجہتی اور سالمیت کا تحفظ کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی ریاست میں قومی یکجہتی وسالمیت
(National Integration and Cohesion in an Islamic State)

اسلام میں مساوات، آزادی اور بھائی چارہ ریاست کے بنیادی اصول سمجھے جاتے ہیں۔ اسلام محض رسوم وروایات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام و اسلامی ریاست رنگ ونسل کی قائل نہیں۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ایک اسلامی ریاست کے اندر یکجہتی وسالمیت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جس کی بنا پر آزادی، مساوات اور اخوت جیسی اعلیٰ اقدار کا حامل نظام حقیقی شکل میں نافذ کیا جاسکتا ہے۔ ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب کو ماننے والے مسلمان ایک اسلامی ریاست میں مل جل کر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ انس ومحبت کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔ اسی لیے نبی پاکؐ نے ہمیشہ محبت وآشتی، رواداری اور باہمی احترام کا درس دیا ہے۔

اسلامی ریاست ایک مثالی ریاست ہوتی ہے۔ قومی وحدت وسالمیت کے نقطۂ نظر سے اس کے اندر بسنے والی اقلیتیں مطمئن ومحفوظ ہوتی ہیں۔ ان کی زندگی ہر لحاظ سے قابلِ رشک ہوتی ہے۔ ان کو آئینی طور پر اور عملاً بھی جان ومال، عزت وآبرو، روزگار کا تحفظ، عقیدے اور مذہب کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ ان کو حکومت کے کلیدی مناصب پر بھی فائز کیا جاتا ہے۔ ان کے لیے معاش کے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ پوری رواداری کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ان کے مسائل ومعاملات کو سمجھنے اور سلجھانے میں پوری ہمدردی اور دل جمعی سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے وہ ریاست کے وفادار رہتے ہیں اور اکثریت کے معاملات میں بے جا مداخلت کرکے رنجش اور کشیدگی کی فضا پیدا نہیں کرتے۔ اس طرح وہ قومی یکجہتی کے حصول کا باعث بنتے ہیں۔

اسلامی ریاست قومی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے آمدنی کا زیادہ حصہ عوامی فلاح وبہبود پر صرف کرتی ہے اور فلاحی اقدامات کے ذریعے عوام کو روزمرہ ضروریات مہیا کرکے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے اقدامات کرتی ہے۔ امارت وغربت کے فاصلوں کو ختم کرکے منصفانہ معاشی نظام عدل کا قیام عمل میں لاتی ہے جس سے یکجہتی کو فروغ ملتا ہے۔ اس طرح دولت کی گردش کے لیے نظامِ زکوٰۃ کو متعارف کرایا جاتا ہے اور دیگر جائز ذرائع سے دولت حاصل کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

حضور پاکؐ کا ارشاد ہے کہ ''تمھارے پاس جو کچھ ضرورت سے زیادہ ہے وہ انھیں لوٹا دو جنھیں ان کی ضرورت ہے۔ یہی

اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔'' اسلام کا یہی معاشی نظام تمام افراد کی معاشی حیثیت و مرتبے کو کم وبیش ایک سطح پر لا کھڑا کرتا ہے جس کو اپنا کر ریاست میں انتشار پیدا نہیں ہوتا۔ یہی قومی وحدت وسالمیت کی معراج ہے۔اسلام میں علاقائی عصبیتیں جنم نہیں لے سکتیں کیونکہ مسلمان وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا جو یکجہتی اسلامی ریاست میں پائی جاتی ہے وہ مغربی ریاست کے مقدر میں نہیں۔

قومی یکجہتی وسالمیت کے مسائل اور ان کا حل
(Problems of National Integration and Cohesion and their solution)

1- ناقص نظام تعلیم (Defective Educational System)

ہمارا موجودہ نظام تعلیم دورِ غلامی کا ورثہ ہے اور ہرگز اس قابل نہیں کہ وہ قوم کے نوجوانوں کے اندر قومی یکجہتی اور سالمیت کے جذبات پیدا کر سکے۔ یہ قومی امنگوں کا آئینہ دار نہیں اور ہمارے ملی تقاضے پورا نہیں کرتا۔ پورے ملک میں ہر سطح پر نصاب اور ذریعہ تعلیم میں یکسانیت اور ہم آہنگی نہیں۔ نصاب ملکی مفادات کے مطابق ترتیب نہیں دیا جاتا۔ اس وقت ملک میں سہ نوعیتی تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں۔ اردو میڈیم ،انگلش میڈیم سکول اور کالجز جیسے تعلیمی ادارے ان میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ دینی مدارس بھی کام کر رہے ہیں جن کا نصاب الگ ہوتا ہے۔

نظامِ تعلیم کے اندر بنیادی تبدیلی لانے کی اشد ضرورت ہے۔ پورے ملک میں یکساں نظام تعلیم رائج کیا جائے تاکہ بچوں کے اندر یکساں سوچ پیدا ہو اور قومی یک رنگی اور یکسانیت کی فضا پیدا ہو سکے۔

2- جاگیردارانہ نظام (Feudal System)

پاکستان میں جاگیردارانہ نظام کی جڑیں بہت مضبوط اور گہری ہیں۔ کچھ لوگ ہزاروں ایکڑ اراضی کے مالک ہیں جس میں بہت ساری زمینیں غیر آباد بھی پڑی ہیں۔ ملکی معیشت میں بھی ان لوگوں کا بہت عمل دخل ہے۔ اسی بنا پر یہ قومی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں اور اپنی مرضی سے قانون سازی کرواتے ہیں۔ ملک میں زرعی اصلاحات تو کی گئیں مگر ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔ دوسری طرف عام لوگ ہیں جن کی وسائل تک رسائی نہیں۔ اس سے معاشی ناہمواری بڑھی جس نے قومی یکجہتی کے فروغ میں مشکلات پیدا کیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی اصلاحات کی جائیں کہ تمام لوگ مساوی بنیادوں پر وسائل سے استفادہ کر سکیں تاکہ ان کی معاشی حالت بہتر ہو اور وہ قومی تعمیر وترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں۔

3- نظریاتی اصولوں سے انحراف (Deviation from Ideological Principles)

پاکستان محض ایک مخصوص جغرافیائی خطے کا نام نہیں بلکہ درحقیقت ایک نظریے کا نام ہے جو نظریہ اسلام کہلاتا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اسی نظریے کی بنیاد پر ایک الگ وطن کا مطالبہ کیا تھا۔ اس نظریے سے وابستگی کے سبب ہی انھوں نے ایک بہت متعصبانہ ہندو قوم کا مقابلہ کیا اور پاکستان جیسی ایک اسلامی ریاست معرضِ وجود میں آئی۔

پاکستانی قومیت کا احساس وشعور صرف اسلامی قومیت کی بنیاد پر ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی چیز نظریۂ پاکستان کا شعور بھی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی نظریاتی اساس کو مضبوط بنائیں اور پاکستان کی یکجہتی کو نقصان پہنچانے والے عناصر کا قلع قمع کریں جس میں مذہبی،لسانی اور صوبائی تعصبات شامل ہیں۔

4- انتخابات سے پہلوتہی (Evasion from Election)

اگر عوام اپنے مقدس ووٹ کا استعمال کرتے ہیں تو انھیں حکومت سازی کا موقع فراہم ہوتا ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستان میں ایک طویل عرصہ تک انتخابات سے پہلوتہی کی پالیسی پر عمل ہوتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد حکمران انتخابات کے انعقاد کو ٹالتے رہے۔ قیامِ پاکستان سے 1956ء تک پارلیمانی نظام کے تحت عام قومی انتخابات ایک بار بھی نہ کرائے گئے۔ 1958ء میں انتخابی عمل کے شروع کرنے کا عزم کیا گیا۔ اس عزم کے آغاز سے پہلے ہی مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ بار بار مارشل لا اور حکومت کی تبدیلیوں سے قومی وحدت کی فضا مکدر رہو گئی۔

اگر دستور کے مطابق عام قومی انتخابات بروقت کرانے کا بندوبست کیا جائے تو لوگوں کو اظہارِ رائے کا موقع فراہم ہوتا رہتا ہے۔ ملک سیاسی انتشار کا شکار نہیں ہوتا۔ جمہوریت کا پودا پنپتا رہتا ہے اور قومی وحدت فروغ پذیر ہوئی ہے۔

5- ذرائع ابلاغ کا کردار (Role of Mass Media)

قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے ذرائع ابلاغ اہم کردار ادا کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کا استعمال صحیح خطوط پر کیا جائے تا کہ لوگوں میں جذبہ حب وطنی پیدا ہو، اسلامی اخوت اور اسلامی سیرت و کردار کو فروغ حاصل ہو۔ چنانچہ اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے اپنے وسائل کو صحیح طور پر بروئے کار لائیں۔

6- کثیر جماعتی نظام (Multi Party System)

پاکستان دنیا میں ان چند ممالک میں شامل ہے جہاں کثیر جماعتی نظام رائج ہے۔ متعدد جماعتیں علاقائی ہیں۔ انھیں قومی جماعتیں نہیں کہا جاسکتا۔ بہت کم جماعتیں ایسی ہیں جن کی چاروں صوبوں میں موثر تنظیم موجود ہے۔ سیاسی جماعتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قومی مفاد کو پیش نظر رکھ کر بنائی گئی ہوں۔ امریکہ و برطانیہ میں دو جماعتی نظام ہے اور دونوں ہی ملک گیر جماعتیں ہیں۔ اس لیے وہاں یکجہتی کا فقدان نہیں۔ کثیر جماعتی نظام میں ہر پارٹی کا اپنا الگ منشور، لائحہ عمل اور پروگرام ہوتا ہے۔ وہ کبھی بھی قومی سطح پر اتفاق رائے پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔ اس کے برعکس جہاں جہاں دو جماعتی سیاسی نظام موجود ہے وہاں اس قسم کے مسائل کم ہوتے ہیں۔

جمہوریت کی کامیابی اور ملکی سالمیت کے لیے لازم ہے کہ رائج الوقت جماعتوں کی تعداد حتی المقدور کم کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان کے لیے اسلام پر مبنی ضابطۂ اخلاق ترتیب دیا جائے تا کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو کر ملک کو سیاسی طور پر مستحکم کرنے کی کوشش کریں۔ ان کے منشور کو بھی اسلامی اقدار کی روشنی میں مرتب کرنے کی تلقین کی جائے۔ ہماری بقا اور سلامتی صرف اسلام میں ہی مضمر ہے۔ یہی ہماری زندگی اور کامیابی کی معراج ہے۔

سوالات

حصہ اوّل (معروضی)

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

i- پاکستان میں کون سا جماعتی نظام رائج ہے؟

ا۔ یک جماعتی نظام ب۔ دو جماعتی نظام

ج۔ سہ جماعتی نظام د۔ کثیر جماعتی نظام

ii- پاکستانی قومیت کی واحد بنیاد کون سی ہے؟

ا۔ اسلام ب۔ اتحادوتعاون ج۔ زبان د۔ علاقہ

iii- پاکستان میں کس نظام کی جڑیں بہت مضبوط اور گہری ہیں؟

ا۔ طبقاتی نظام ب۔ جاگیردارانہ نظام ج۔ انتخابی نظام د۔ تعلیمی نظام

iv- قیام پاکستان سے 1956ء تک پاکستان میں کتنے انتخابات ہوئے؟

ا۔ ایک بار ب۔ دو بار ج۔ تین بار د۔ ایک بار بھی نہیں

v- پاکستان میں 1958ء میں کون سا واقعہ پیش آیا؟

ا۔ انتخابات ہوئے ب۔ ٹی وی اسٹیشن کا قیام

ج۔ مارشل لا د۔ اسلام آباد شہر کا قیام

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجیے:

i- قومی یکجہتی کا مفہوم واضح کیجیے۔

ii- پاکستان میں صوبائی پرستی کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟

iii- اسلامی ریاست کیسے ایک مثالی ریاست بن سکتی ہے؟

iv- قومی یکجہتی کے فروغ کے لیے ذرائع ابلاغ کا کیا کردار ہے؟

v- پاکستان میں جمہوریت کی کامیابی کیسے ممکن ہے؟

حصہ دوم (انشائیہ)

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیجیے:

i- قومی یکجہتی کی اہمیت واضح کیجیے۔

ii- اسلامی ریاست کے تناظر میں قومی یکجہتی وسالمیت کی وضاحت کیجیے۔

iii- قومی یکجہتی کے مسائل اور ان کا حل بیان کیجیے۔

باب 6

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور دُنیا

(Islamic Republic of Pakistan and the World)

خارجہ پالیسی کا مفہوم *(Meanings of Foreign Policy)*

انسان اکیلا نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنی ضروریات کے لیے دوسرے انسانوں کے ہمراہ رہنے پر مجبور ہے۔ اسی طرح کوئی ریاست بھی تنہا نہیں رہ سکتی۔ وہ دوسری ریاستوں سے تعلقات قائم کرنے کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ ریاست کی سیاسی، معاشی، دفاعی اور دیگر ضرورتیں اسے دوسری ریاستوں سے تعاون پر مجبور کرتی ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی ریاست خود کفیل نہیں ہے۔ ایک ریاست دوسری ریاستوں سے تعلقات کے قیام میں کچھ بنیادی اصولوں اور مقاصد کو پیش نظر رکھتی ہے اور راستے متعین کرتی ہے۔ اس حوالے سے جو پالیسی وہ بناتی ہے، خارجہ پالیسی کہلاتی ہے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کو متعین کرنے والے عوامل

(Determinants of Pakistan's Foreign Policy)

ہر ریاست اپنی خارجہ پالیسی، اقتصادی، دفاعی، جغرافیائی اور دیگر عوامل کے حوالے سے ترتیب دیتی ہے۔ یہ عوامل وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ کچھ عوامل مستقل درجہ رکھتے ہیں اور بعض عارضی ہوتے ہیں۔ یہ عوامل مل جل کر ایک مجموعی تاثر قائم رکھتے ہیں۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کو متعین کرنے والے عوامل درج ذیل ہیں۔

1- نظریاتی عوامل

پاکستان جیسے ملک میں نظریے اور خارجہ پالیسی کا چولی دامن کا ساتھ ہے کیونکہ پاکستان کی تخلیق نظریۂ اسلام پر ہوئی ہے۔ خارجہ تعلقات کے حوالے سے پاکستان اسلامی دنیا کے ممالک سے قریبی دوستی استوار کرنا چاہتا ہے۔ دستور میں دیے گئے پالیسی کے اصولوں کے تحت اسلامی مملکتوں سے گہرے دوستانہ روابط رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ اسلامی کانفرنس کی تنظیم (O.I.C) 1969ء میں قائم ہوئی تو پاکستان کے عوام بہت خوش ہوئے۔ 1974ء میں اسلامی کانفرنس کا سربراہی اجلاس لاہور میں منعقد ہوا جس میں عوام کا جوش وخروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

پاکستان نے ہمیشہ اسلامی ممالک کے ساتھ اُمہ کی سطح پر تعلقات استوار کرنے کو اولیت دی اور دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کو مسائل پیش آئے پاکستان نے ان کی ہر ممکن مدد کی۔ ان مسائل میں فلسطین، قبرص، بوسنیا، کشمیر، ایتھوپیا، افغانستان اور عراق بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

پاکستان نے نظریۂ اسلام کو خارجہ پالیسی کی بنیاد ضرور بنایا ہے لیکن یہ بھی نہیں کہ اسلام سے متصادم دیگر نظریات کے حامل ممالک سے دوری اختیار کی ہو۔ عوامی جمہوریہ چین کا اشتمالی نظام اور امریکہ کا سرمایہ دارانہ نظام نظریۂ پاکستان سے ہم آہنگ نہیں پھر بھی پاکستان دونوں سے گہرے مراسم استوار کیے ہوئے ہے۔

2- قومی مفاداتی عوامل

ہر ریاست اپنے قومی مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے خارجہ پالیسی کو ترتیب دیتی ہے۔ پاکستان نے بھی قومی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی خارجہ پالیسی کے اصول مرتب کیے ہیں۔ انھی اصولوں کے تحت پاکستان نے سیٹو اور سینٹو جیسے معاہدات میں شرکت کی۔ یہ قومی مفادات ہی تھے جنھوں نے پاکستان کو عوامی جمہوریہ چین سے دوستی کی راہ دکھائی۔

خارجہ پالیسی میں دو طرفیت کا اصول حالات اور قومی مفادات کے تحت ہی اپنایا گیا۔ روس نے افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کیں تو پاکستان نے اپنے مفاد میں خارجہ تعلقات از سر نو ترتیب دیے۔ 1990ء میں پاکستان پر امریکہ نے ایٹمی منصوبے کو ترک کرنے کے لیے سخت دباؤ ڈالا لیکن پاکستان نے اپنا پروگرام امریکہ کی شدید مخالفت کے باوجود صرف قومی مفادات کے تحت جاری رکھا۔

3- جغرافیائی عوامل

پاکستان جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ملک ہے۔ یہ جنوبی ایشیا، مشرق وسطیٰ اور وسطی ایشیا کے سنگم پر واقع ہے۔ چین اور بھارت اس کے پڑوس میں ہیں۔ افغانستان اور ایران جیسے مسلم ممالک سے پاکستان کی سرحدیں ملتی ہیں۔ یہ سارے جغرافیائی عوامل پاکستان کی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ چین سے دوستی پاکستان کی بنیادی ضرورت ہے اور پڑوسی اسلامی ممالک سے اتنے اچھے تعلقات کا قیام پاکستان جیسی نظریاتی ریاست کے لیے لازم ہے۔ ان ہی ضرورتوں کے تحت پاکستان ای۔سی۔او (ECO)، سارک (SAARC) اور آسیان (ASEAN) تنظیم کا بھی رکن ہے۔ پاکستان کا خلیجی ریاستوں سے قرب اور جنوبی ایشیا کے بحری راستوں سے نزدیک ہونا اس کی جغرافیائی اہمیت کو بڑھانے کا موجب ہے۔ اسی لیے ان خطوں کے ممالک سے قریبی تعلقات پاکستان کی خارجہ پالیسی میں شامل ہیں۔

4- اقتصادی عوامل

بعض ماہرین کے نزدیک سب سے اہم عنصر اقتصادی ہوتا ہے جو خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کارل مارکس (Karl Marx) نے اقتصادیات کو تمام انسانی شعبوں پر اثر ڈالنے والی واحد اور بنیادی قوت لکھا ہے۔ اس نے قوم کی آزادی اور وقار کی بنیاد اقتصادیات کو ٹھہرایا ہے۔ جدید دور میں ہر ریاست اپنی خارجہ پالیسی ترتیب دیتے وقت اقتصادی پہلو کو مدنظر رکھتی ہے۔ مضبوط معیشت ہی ٹھوس سیاسی نظام اور مستحکم دفاع کے لیے بنیادی شرط ہے۔ ریاست کے دفاع کے لیے خارجہ پالیسی پر اقتصادی پہلو کا اثر صاف نظر آتا ہے۔ مغربی ممالک سے قریبی رابطوں کا اہم سبب اقتصادی امداد ہے جو امداد دینے والا کنسورشیم (Consortium) فراہم کرتا ہے۔ امریکہ سے دوستی کی ایک بڑی وجہ اقتصادی امداد اور تعاون ہی ہے جو پاکستان کو امریکہ اور مغربی دنیا کے قریب لے گیا۔ آج بھی امریکی اقتصادی امداد پاکستان کے داخلی اور خارجی دونوں پہلوؤں میں اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔

5- نفسیاتی اور تاریخی عوامل

پاکستان کی خارجہ پالیسی پر مختلف نفسیاتی اور تاریخی عوامل کا ہمیشہ اثر رہا ہے۔ برصغیر کی تاریخ سے پاکستانی قوم کو بڑے تلخ تجربات حاصل ہوئے ہیں۔ برطانوی دور میں ہندوؤں کے رویے، ان کی سوچ، تعصبات اور معاندانہ سلوک تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کے جائز سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی حقوق کو دبائے رکھا۔ مجبوراً مسلمانوں کو علیحدہ وطن کا مطالبہ کرنا

پڑا۔ پاکستان کی تخلیق کو ہندوؤں نے دل سے کبھی قبول نہیں کیا اور اکھنڈ بھارت بنانے کی کوشش جاری رکھی ہے۔ ہندو فرقہ پرست جماعتوں نے اپنی حکومتوں کو پاکستان کے خلاف اُکسائے رکھا۔ بھارت کی جانب سے پاکستانی قوم کو جارحانہ اقدام کا خطرہ ہمیشہ پیش نظر رہا ہے۔ بھارت اور اس کے معاندانہ عزائم کو سامنے رکھ کر پاکستان ہمیشہ اپنی خارجہ پالیسی مرتب کرتا رہا ہے۔ یہ پاکستان کی بقا کا بنیادی تقاضا ہے اور اسی کے پیش نظر دوسرے ممالک سے تعلقات استوار کیے گئے ہیں۔

6- واقعاتی عوامل

دنیا میں رونما ہونے والے بعض ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں جن کے نتائج دُور رس ہوتے ہیں اور ملکوں کو ان واقعات کی روشنی میں اپنے خارجہ تعلقات کو نئے سرے سے ترتیب دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مثلاً 9/11 کا واقعہ جس نے پاکستان سمیت قریباً بیشتر ممالک کی خارجہ پالیسی کو متاثر کیا۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے نمایاں خدوخال
(The Main Features of Pakistan's Foreign Policy)

پاکستان کی خارجہ پالیسی گزشتہ سالوں میں کئی بار تبدیلیوں سے ہمکنار ہوئی۔ ملکی سالمیت اور سرحدوں کی حفاظت نے پاکستان کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا حلیف بننے اور دفاعی معاہدوں میں خارجہ پالیسی کے نئے رُخ متعین کرنے پر مجبور کیا۔ حال ہی میں افغانستان کا مسئلہ پاکستان کے لیے بہت بڑا چیلنج بن گیا اور خارجہ پالیسی کا رُخ تبدیل ہوا۔ موجودہ خارجہ پالیسی کے نمایاں خدوخال یہ ہیں:

1- آزاد اور خود مختار خارجہ پالیسی

پاکستان کی خارجہ پالیسی قومی تقاضوں سے ہم آہنگ اور آزاد و خود مختار ہے۔ مملکت کی سالمیت، معاشی خوشحالی اور نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کو سامنے رکھتے ہوئے پالیسی تشکیل دی گئی ہے۔ پالیسی کی تیاری میں قومی امنگوں اور وقار کا دھیان رکھا گیا ہے۔ حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان نے مغربی بلاک سے 55-1954ء میں وابستگی اختیار کی۔ امریکہ اور دوسری بڑی طاقتوں کے ساتھ تعلقات کے باوجود اپنے اصولوں کی پاسداری کی ہے کیونکہ بھارت کی فوجی قوت کا مقابلہ کرنا تھا۔ سیٹو اور سینٹو کی وجہ سے پاکستان کو جدید ترین اسلحہ ملا۔ فوجیوں کی بہترین تربیت ہوئی اور بھارت اپنے عزائم پورا کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آج پاکستان مشرقی اور مغربی دونوں اطراف سے خطرات کا شکار ہے اور اسی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے خارجہ پالیسی بنائی گئی ہے۔ امریکہ سے دوستی ہے لیکن پاکستان کسی دفاعی معاہدے کے تحت بالکل پابند نہیں ہے۔ دونوں ملکوں کے مفادات انھیں ایک دوسرے کے قریب لے آتے ہیں۔

2- ملکی سالمیت کا تحفظ

پاکستان کی خارجہ پالیسی کا اہم اور بنیادی اصول ہے کہ ملک کی سرحدوں، آزادی اور خود مختاری کی حفاظت کی جائے گی۔ بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا تو ملکی سالمیت کے پیش نظر پاکستان نے بھی اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایٹمی طاقت ہونے کا ثبوت پیش کر دیا۔ بھارتی حملے سے محفوظ رہنے کے لیے حکومت ہر ممکن قدم اٹھا رہی ہے اور دفاعی پہلو سے قطعاً کوتاہی نہیں برت رہی۔ پاکستان اقوام متحدہ کے چارٹر کا پابند ہے اور طاقت کے استعمال کے خلاف عالمی مہم میں شریک ہے۔ پاکستان ''جیو اور جینے دو'' کی پالیسی پر گامزن ہے۔

3- اقوام متحدہ سے تعاون

پاکستان کا دستور حکومت کو پابند کرتا ہے کہ وہ عالمی امن کے قیام کے لیے اقوام متحدہ سے بھرپور تعاون کرے۔ اس کے چارٹر پر عمل پیرا رہے اور دنیا کو جنگوں کی تباہی سے بچانے کے لیے عالمی اداروں کا ساتھ دے۔ اقوام متحدہ نے جب بھی پاکستان کو دنیا کے مختلف ممالک اور علاقوں میں امن کے قیام کے لیے اپنی افواج بھیجنے کی درخواست کی، پاکستان نے فوراً عمل کیا۔ آج بھی پاک فوج کے دستے مختلف ممالک میں اقوام متحدہ کی نگرانی میں اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ ریاست جموں کشمیر کے حوالے سے پاک بھارت جنگیں ہوئیں اور اقوام متحدہ جنگ بندی کراتی رہی۔ پاکستان نے ہمیشہ اقوام متحدہ کے فیصلوں کا احترام کیا۔

4- حق خودارادیت کی حمایت

پاکستان قوموں کے حق خودارادیت کا حامی ہے اور اپنی خارجہ پالیسی میں قوموں کے حق خودارادیت کے تحفظ کے بنیادی اصول کو تسلیم کیا ہے۔ قائداعظمؒ نے خارجہ پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پاکستان دنیا کی تمام مظلوم قوموں کے حقوق کی بحالی کے لیے کوشاں رہے گا۔ اس اصول پر پاکستان نے ہمیشہ پورے خلوص سے عمل کیا ہے۔ الجزائر، فلسطین، ویت نام، کوریا، کشمیر، بوسنیا، قبرص، کمبوڈیا، اریٹیریا، زمبابوے اور دیگر قوموں کے حق خودارادیت کے لیے پاکستان نے اقوام متحدہ کے اندر اور باہر بڑا فعال کردار ادا کیا ہے۔ ویت نام میں امریکی افواج کی موجودگی کے خلاف مہم میں پاکستان پوری طرح شریک رہا۔ افغانستان میں روسی افواج داخل ہوئیں تو عتاب سے ڈرے بغیر پاکستان حق کی آواز بلند کرتا رہا۔

5- ہمسایہ ممالک سے دوستانہ تعلقات

پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم اصول ہے کہ تمام ہمسایہ ممالک سے خصوصی طور پر اچھے تعلقات قائم کیے جائیں۔ ایران، اور چین سے تعلقات کی نوعیت بہت اچھی ہے اور ان میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ ایران اور چین سے سرحدی معاہدات طے کر کے پاکستان نے باہمی دوستی کو فروغ دیا ہے۔ بھارت اور افغانستان سے تعلقات میں کشیدگی کا سلسلہ جاری رہا۔ البتہ موجودہ صورت حال کافی حوصلہ افزا ہے۔ پاکستان کی مخلصانہ کوششیں رنگ لائی ہیں اور ان دونوں ممالک سے تعلقات مثبت بنیادوں پر آگے بڑھ رہے ہیں۔

6- دہشت گردی کی مخالفت

پاکستان عالمی سطح پر دہشت گردی کے خلاف مہم میں پورے شدومد سے شریک ہے۔ اپنی خارجہ پالیسی کے مطابق پاکستان نے دہشت گردوں کے خلاف کارروائیاں کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ پاکستان خود بھی دہشت گردی کا شکار ہوتا رہا ہے اس لیے اس کے خلاف چلائی جانے والی مہم کی کامیابی کے لیے کوشاں ہے۔ پاکستان ریاستی دہشت گردی کی مذمت بھی کرتا ہے۔ کشمیر اور فلسطین میں عوام جس ریاستی دہشت گردی کا شکار ہیں اس کے خلاف آواز بھی اٹھا رہا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف پالیسی کی وجہ سے پاک امریکی تعلقات میں کافی اضافہ ہوا ہے۔

7- تیسری دنیا سے روابط

تیسری دنیا سے تعلقات کو بہتر بنانے کا درس قائداعظمؒ نے اپنی قوم کو دیا تھا۔ انھوں نے فرمایا:

''میں ایشیائی اقوام اور خصوصاً مسلم اقوام میں ہم آہنگی، مقصد کی وحدت اور مکمل افہام وتفہیم پر زور دیتا ہوں کیونکہ ایشیائی اتحاد عالمی امن اور خوشحالی کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔''

اس اصول کے تحت تیسری دنیا کے ممالک کے درمیان اتحاد کے لیے جو بھی تحریک چلائی گئی، پاکستان نے اس میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ 1955ء کی بنڈونگ کانفرنس اور غیر جانبدار ممالک کے اتحاد کے لیے جو بھی کوششیں کی گئیں، پاکستان ان میں مسلسل شامل رہا۔ گروپ آف 77 کی تشکیل میں پاکستان پیش پیش رہا اور رکن ممالک نے پاکستان کو گروپ کا چیئرمین منتخب کر کے اس کی کوششوں کو سراہا۔

8- ریاست جموں وکشمیر کی آزادی

وادیٔ جموں وکشمیر کے عوام کی آزادی پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم اور بنیادی نکتہ ہے۔ کشمیری عوام پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں اور بھارتی تسلط کے خلاف سال ہا سال سے جدوجہد میں مصروف ہیں۔ پاکستان کشمیریوں کی سفارتی، سیاسی اور اخلاقی امداد کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ کشمیری عوام اپنے مستقبل کا فیصلہ اپنی مرضی سے کریں۔ کشمیر ہماری خارجہ پالیسی کا مرکزی پوائنٹ ہے۔ حکومت پاکستان دنیا بھر کی قوموں کو کشمیریوں کے حق خودارادیت کی حمایت کے لیے آمادہ کرنے میں مصروف ہے۔ پاکستان کے لیے دوسرے ممالک کی دوستی پرکھنے کا معیار مسئلہ کشمیر ہی ہے۔

9- جارحیت کی مخالفت

پاکستان امن کا داعی ہے اور طاقت کے استعمال کو بطور پالیسی قابلِ مذمت سمجھتا ہے۔ پاکستان چاہتا ہے کہ بین الاقوامی تنازعات، ثالثی اور مذاکرات کے ذریعے حل کیے جائیں۔ جب بھی کسی ملک نے جارحیت کی پاکستان نے بلا جھجک اپنا موقف ظاہر کیا۔

10- نوآبادیاتی نظام کی مخالفت

پاکستان چونکہ خود نوآبادیاتی نظام کا شکار رہا ہے اس لیے پاکستان نے اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں سے ہی سامراجی قوتوں کے مقابل نوآبادیات کے باشندوں کی حمایت کی۔ پاکستان نے تمام محکوم اقوام کی آزادی کے لیے آواز بلند کی۔ ان میں لیبیا، مراکش، تیونس، ملائشیا، انڈونیشیا اور برما سمیت کئی اقوام شامل ہیں۔ پاکستان نے ان کی آزادی کے لیے اقوام متحدہ کے اندر اور باہر زوردار مہم چلائی اور ہمیشہ نوآبادیاتی نظام کے خاتمے پر زور دیا۔

11- سرمایہ کاری کے لیے پالیسی

موجودہ دور معیشت کا دور ہے اور ہر قوم معاشی میدان میں اپنا حق حاصل کرنے میں کوشاں ہے۔ پاکستان بھی چاہتا ہے کہ دوسرے ممالک کے سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری کریں۔ خارجہ پالیسی میں اس حوالے کو خصوصی طور پر بطور اصول تسلیم کیا گیا ہے تاکہ سرمایہ کاری کے لیے دوسری حکومتوں اور تاجروں سے رابطے قائم کیے جائیں۔ ایسے بہتر حالات پیدا کیے جا رہے ہیں کہ غیر ملکی سرمایہ دار پاکستان میں مختلف منصوبوں میں سرمایہ لگائیں۔ حکومت پاکستان نے اپنے سفارت خانوں کو تجارتی مقاصد اور سرمایہ کاری کے اہداف کے لیے خصوصی ہدایات جاری کی ہیں۔

پاکستان کے ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات
(Pakistan's Foreign Relations with its Neighbours)

1- عوامی جمہوریہ چین سے تعلقات

عوامی جمہوریہ چین پاکستان کا عظیم ہمسایہ ہے جس کے صوبے سنکیانگ کی سرحدیں پاکستان کے شمالی علاقوں سے ملتی ہیں۔ 1949ء میں عوامی جمہوریہ چین کے قیام کے چند ماہ بعد ہی پاکستان نے اسے تسلیم کرلیا۔ 55-1954ء میں پاک چین تعلقات کا آغاز ہوا اور دونوں ممالک دوستی کے اٹوٹ رشتے میں بندھ گئے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ دوستی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ دونوں ممالک کی دوستی عوام کے پُرخلوص جذبوں پر قائم ہے۔ دونوں قوموں کے درمیان دلی ہم آہنگی موجود ہے۔ امن اور جنگ دونوں زمانوں میں چین بہت ہی قابل اعتماد دوست ثابت ہوا ہے۔ پاک چین دوستی کے حوالے سے چینی راہنماؤں کے تاریخی جملے خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔

- ''چین دنیا میں ہر خطرے کے خلاف پاکستان کی حفاظت کرے گا۔''
- ''پاک چین دوستی ایک دریا ہے جس کے بہاؤ کو سامراج کی دیوار کبھی نہیں روک سکتی۔''
- ''چین کی دوستی ہمالیہ سے بلند اور بحیرۂ عرب سے گہری ہے۔''

پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین کے مابین پرخلوص دوستی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

☆ پاکستان نے عوامی جمہوریہ چین کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا مستقل رکن بنائے جانے کی بھرپور حمایت کی اور آغاز سے ہی ہر سطح پر چین کے حق کے لیے آواز اُٹھائی۔

☆ 1962ء میں چین اور بھارت کے درمیان نیفا اور لداخ میں جنگ ہوئی تو پاکستان نے چین کی ہر ممکن سیاسی، سفارتی اور اخلاقی حمایت کی۔

☆ مارچ 1963ء میں سرحدی سمجھوتہ تحریر کیا گیا جس کی رُو سے چین نے اپنے زیرِ قبضہ 750 مربع میل رقبہ پاکستان کے حوالے کردیا۔ یہ علاقہ اپنی چراگاہوں اور معدنیات کی وجہ سے مشہور ہے۔ پاکستان نے معاہدے کے تحت ایک انچ زمین بھی چین کے حوالے نہیں کی تھی۔

☆ 1963ء میں ہی ایک معاہدے کے تحت دونوں ممالک نے ایک دوسرے کی فضائی کمپنیوں کو اپنے اپنے علاقوں میں سہولتیں مہیا کیں اور پاکستان نے چین کے لیے اپنی پروازیں شروع کیں۔

☆ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں چین نے پاکستان کو اخلاقی، سیاسی، سفارتی، مالی اور دفاعی شعبوں میں کافی امداد مہیا کی۔

☆ عوامی جمہوریہ چین نے مسئلہ کشمیر کے حوالے سے ہمیشہ مثبت اور حوصلہ افزا مؤقف اختیار کیا۔ چین شروع سے کشمیریوں کے حق خودارادیت کی حمایت کرتا آرہا ہے اور اس نے عالمی سطح پر پاکستان کے نقطۂ نظر کی بھرپور تائید کی ہے۔

☆ 1974ء میں بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد چین اور پاکستان نے یکساں ایٹمی پالیسی اختیار کی۔ دونوں نے بحرِ ہند کو ایٹم سے پاک علاقہ قرار دیے جانے پر زور دیا۔ 1986ء میں دونوں ممالک نے ایٹمی سمجھوتے پر دستخط کیے اور چین نے مالی اور فنی تعاون کا اعلان کیا۔

☆ چین کی مدد سے درہ خنجراب سے ایبٹ آباد تک 900 کلومیٹر لمبی شاہراہِ ریشم (قراقرم ہائی وے) تعمیر کی گئی جو تعمیر کا ایک مثالی نمونہ ہے۔ یہ سڑک پاک چین دوستی کی علامت اور ایک درخشاں مثال بن گئی۔

☆ دفاعی میدان میں بھی چین اور پاکستان کے درمیان کئی دفاعی معاہدے کیے گئے جن کے تحت چین نے کامرہ کمپلیکس اور پاکستان واہ آرڈننس فیکٹری کی تعمیر میں پاکستان کی مدد کی۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں ہیوی ڈیوٹی الیکٹریکل کمپلیکس کی تعمیر کے لیے 273 ملین روپے مہیا کیے۔

☆ پاک چین دوستی لازوال ہے اور پہلے کی طرح مضبوط تر ہو رہی ہے۔ عوامی جمہوریہ چین دفاع، صنعت، معدنیات اور دیگر شعبوں کی ترقی کے لیے پاکستان کو فنی اور مالی مدد فراہم کر رہا ہے۔

☆ چین نے ہمیشہ پاکستان میں سیلاب زدگان اور زلزلہ زدگان کے لیے بھرپور مالی امداد فراہم کی ہے اور بلا سود قرضہ جات بھی دیے ہیں۔

2- پاک بھارت تعلقات

بھارت پاکستان کے مشرق میں واقع ایک بڑا ملک ہے جو آبادی کے لحاظ سے دنیا بھر میں دوسرے نمبر پر ہے۔ بھارت میں ہندوؤں اور پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت بستی ہے۔ دونوں قومیں ایک ہزار سال سے زائد عرصے تک ایک ہی سرزمین پر رہتی رہی ہیں لیکن مسلمانوں کا تجربہ اور یادیں بہت تلخ ہیں۔ برطانوی دورِ حکومت میں جب بھی ہندوؤں کو موقع ملا انھوں نے مسلم قوم کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کیں۔ آزادی کے لیے جدوجہد شروع ہوئی تو ہندوؤں کی جانب سے مسلمانوں کے جائز سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور دیگر حقوق کو دبانے کی ہر ممکن کوشش ہوئی۔ مسلمانوں نے مجبور ہو کر الگ اسلامی مملکت کے قیام کا مطالبہ کر دیا۔ 1947ء میں پاکستان ایک آزاد اور خودمختار ریاست کی صورت اختیار کر رہا تھا کہ ہندو راہنماؤں نے سرتوڑ کوششیں کر کے اس خواب کو بکھیرنا چاہا۔ ماؤنٹ بیٹن اور سر ریڈکلف سے جوڑ توڑ کر کے ہندو ایسا پاکستان بنانے پر راضی ہوئے جو زیادہ عرصہ تک زندہ رہنے کے قابل نہ ہوتا۔

پنڈت نہرو نے اپنی کتاب *Discovery of India* میں اعتراف کیا ہے کہ کانگریس نے تقسیم ہند کا منصوبہ صرف انگریزوں سے جان چھڑانے کے لیے قبول کیا تھا۔ صدر آچاریہ کرپلانی نے بیان دیا: ”نہ کانگریس اور نہ ہی ہندو قوم متحدہ بھارت کے مطالبہ سے دست کش ہوئی ہے“۔

پاکستان اور بھارت نے تنازعات کو حل کرنے کے لیے درج ذیل کوششیں کی ہیں:

☆ دونوں ممالک کے درمیان مسئلہ کشمیر سب سے بڑا تنازعہ ہے جس کو حل کیے بغیر تعلقات بہتر شکل اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ تنازعہ ختم ہو جائے تو تمام شعبوں میں دونوں ممالک کے درمیان دوستی کے رشتے قائم ہو سکتے ہیں۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے پاکستان نے ہمیشہ مثبت رویہ اپنائے رکھا لیکن بھارت اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے سنجیدہ نہیں ہے۔

☆ 1960ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان پانی کے مسئلے کے حل کے لیے ”سندھ طاس معاہدے“ پر دستخط ہوئے۔ اس کے باوجود بھارت بدعہدیاں کرتا آ رہا ہے۔

☆ 1965ء کی جنگ کے بعد روس نے پاکستان کے صدر اور بھارتی وزیر اعظم کو تاشقند بلایا اور ایک سمجھوتہ طے پایا جسے ”معاہدہ تاشقند“ کہتے ہیں۔

☆ پاکستان اور بھارتی وزرائے اعظم کے درمیان 1971ء کی جنگ کے بعد شملہ کے مقام پر مذاکرات ہوئے اور ”شملہ معاہدہ“

ہوا۔اس معاہدے کی رو سے پاکستان اور بھارت نے اپنے اختلافات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کا اعلان کیا۔

☆ 1980ء سے جنوبی ایشیا کی علاقائی تعاون کی تنظیم ''سارک'' کے دائرہ میں دونوں ممالک نے تعاون بڑھانے کی کوششیں کیں جن کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔ 1988ء میں ''سارک'' کانفرنس کے موقع پر پاکستان اور بھارت کے وزرائے اعظم کو ملنے کا موقع ملا جس میں ایک معاہدہ طے پایا۔اس معاہدے کے مطابق دونوں ممالک ایک دوسرے کے جوہری مراکز پر حملہ نہ کرنے کے پابند ہوئے۔

☆ 1989ء میں کشمیری مجاہدین نے بھارت کے خلاف جہاد کا آغاز کیا تو بھارت نے پاکستان کو موردِالزام ٹھہرانا شروع کر دیا۔ پاکستان نے بھارت سے کشمیریوں کو حقِ ارادیت دینے کا مطالبہ کیا جس سے بھارت نے مکمل چشم پوشی کی۔

☆ 1990ء میں پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں کچھ بہتری آئی۔ باہمی تجارت اور لوگوں کی آمدورفت بڑھی۔ یہ تعلقات ایک حد سے آگے نہ بڑھ سکے کیونکہ بھارت مسئلہ کشمیر کو منصفانہ طور پر حل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پاکستان اب بھی اپنے اس منصفانہ موقف پر قائم ہے کہ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ کی منظور کی ہوئی قراردادوں کے مطابق مظلوم کشمیریوں کی رائے کے ذریعے حل کیا جائے۔

☆ 14 تا 17 جولائی 2001ء میں پاکستان کے صدر اور بھارت کے وزیراعظم کے درمیان اپنی نوعیت کی پہلی آگرہ کانفرنس ہوئی جس کا پاکستان اور بھارت کے علاوہ دنیا بھر میں زبردست شہرہ رہا۔اس کانفرنس میں ہونے والے تین روزہ مذاکرات بغیر حتمی فیصلے کے ختم ہو گئے۔

☆ جنوری 2004ء میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والی ''سارک کانفرنس'' کے دوران صدر پاکستان اور بھارتی وزیراعظم کے درمیان مذاکرات ہوئے اور کئی سمجھوتے طے پائے اور مذاکرات کو جاری رکھنے کا اعادہ کیا گیا۔

☆ 2013ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر پاکستان اور بھارت کے وزرائے اعظم کے درمیان ملاقات ہوئی اور اپنے اختلافات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کا اعادہ کیا گیا۔اس سلسلے میں دونوں ممالک کے وزرائے خارجہ اور سیکرٹری خارجہ کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔

☆ موجودہ دور میں اعتماد کی بحالی کے لیے مختلف کھیلوں کے مقابلے منعقد کر کے دونوں ممالک ایک دوسرے کو دوستی کا پیغام دے رہے ہیں۔ تجارتی میدان میں سمجھوتے ہو رہے ہیں۔ دونوں ممالک کے تاجر ایک دوسرے کے ہاں دورے کر رہے ہیں۔ شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں وغیرہ کے نمائندہ وفد آ جا رہے ہیں۔ ایران سے گیس پائپ لائن پاکستان کے راستے بھارت تک بچھانے کی بات چیت ہو رہی ہے۔ ایٹمی دھماکوں اور میزائل پروگرام کی ایک دوسرے کو پیشگی اطلاع دینے کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔

3- پاک ایران تعلقات

ایران اور پاکستان اسلامی، ایشیائی اور پڑوسی ممالک ہیں۔ ایران نے پاکستان کو 1947ء میں سب سے پہلے تسلیم کیا اور اپنی خوشی کا بے انتہا اظہار کیا۔ دونوں ممالک گہرے تاریخی مذہبی اور ثقافتی رشتوں میں منسلک ہیں۔

☆ ایران نے پاکستان کو عالمِ اسلام کا قلعہ مانتے ہوئے 1947ء میں خوش آمدید کہا۔ دونوں ممالک میں وقت کے ساتھ ساتھ بہتر سے بہتر تعلقات استوار ہوتے گئے۔ متعدد ایسے فیصلے ہوئے جو باہمی دوستی کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کا باعث بنے۔

☆ 1949ء میں پاکستان کے وزیراعظم نے ایران کا دورہ کیا جس کے جواب میں 1950ء میں شاہ ایران نے بھی پاکستان کا دورہ کیا اور تجارتی روابط قائم ہوئے۔

☆ برطانوی ہند اور ایران کے درمیان سرحد کا تعین نہ ہو سکا تھا۔ تنازعات چلے آ رہے تھے کہ پاکستان وجود میں آ گیا۔ حد بندی کمیشن تشکیل دیا گیا اور 1956ء میں ایک معاہدہ طے پا گیا۔ بعض علاقوں پر پاکستان نے اپنا دعویٰ ظاہر کیا جو ایران کے قبضے میں چلے آ رہے تھے۔ ایران نے وہ علاقے واگزار کر دیے۔ 830 کلومیٹر لمبی سرحد کے حوالے سے معاہدہ لکھ دیا گیا۔ اس طرح تعلقات کا بہت اچھا آغاز ہوا۔

☆ ایران اور پاکستان نے تجارتی اور ثقافتی سمجھوتے کرنے کے بعد ضروری سمجھا کہ دفاع کے شعبے میں بھی تعاون ہو۔ امریکہ سے دونوں ممالک کے تعلقات بہت اچھے تھے اور دونوں کو سوویت یونین کی جانب سے خطرہ تھا۔ پاکستان، ایران، ترکی، عراق اور برطانیہ نے ایک دفاعی معاہدہ پر دستخط کیے۔ جو معاہدہ بغداد کہلایا۔ امریکہ اس معاہدہ کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ 1958ء میں عراقی انقلاب کے بعد عراق معاہدہ سے باہر ہو گیا تو اسے سینٹو (CENTO) کا نام دیا گیا۔ دفاعی سمجھوتہ پاکستان اور ایران کو ایک دوسرے کے بہت قریب لے آیا۔

☆ ایران نے مسئلہ کشمیر پر پاکستان کا ہمیشہ بھرپور ساتھ دیا۔ پاکستان کے مؤقف کو سراہا۔ اقوام متحدہ کے اندر اور باہر کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کی حمایت کی۔ بھارتی افواج کے کشمیری مجاہدین کے خلاف مظالم کی ایران نے ہمیشہ کھل کر مخالفت کی۔ ایران اور بھارت آج کل مختلف شعبوں میں تعاون کر رہے ہیں لیکن کشمیر پر ایران کا نقطۂ نظر پاکستان سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔

☆ 1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں ایران پاکستان کے ہمراہ رہا۔ ایران کی سیاسی، اخلاقی، اقتصادی اور فوجی امداد سے پاکستان کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد ایران نے پاکستان کے دکھ کو محسوس کرتے ہوئے حوصلہ بڑھایا۔ نیز علاقوں کی واگذاری اور افواج کی واپسی کے حوالے سے پاکستان کی بڑی مدد کی۔

☆ فلسطین، بوسنیا، افغانستان اور دیگر کئی تنازعات کے حل کے بارے میں ایران اور پاکستان نے اعلیٰ سطح پر تبادلہ خیالات کر کے یکساں موقف اختیار کیا۔ 1965ء میں پاک ملائشیا تعلقات میں خرابی پیدا ہوئی تو ایران نے سفارتی تعلقات بحال کرائے۔ بنگلہ دیش وجود میں آیا تو جب تک پاکستان نے اُسے تسلیم نہ کیا، ایران بھی اُسے تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ پاکستان اور ایران نے ایک ساتھ بنگلہ دیش کو ماننے کا اعلان کیا۔

☆ پاکستان پر جب بھی مالیاتی بحران آیا، ایران نے مدد کی۔ 1947ء میں ایران نے پاکستان کو 850 ملین ڈالر کا قرضہ دیا۔ 2005ء میں پاکستان اور آزاد کشمیر میں آنے والے زلزلے سے تباہ ہونے والے علاقوں اور عوام کی بحالی کے لیے ایران نے کثیر رقوم فراہم کیں۔ ایران نے بلوچستان میں میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا نیز ایران کے تعاون سے سیمنٹ، سوتی کپڑے اور مصنوعی دھاگے کے کارخانے قائم کیے گئے ہیں۔ ایران نے پاکستان کی معیشت کو بہتر بنانے کے لیے متعدد اقدام اٹھائے ہیں۔

☆ شاہ ایران صدر ترکی اور صدر پاکستان کی اعلیٰ سطحی میٹنگ 1964ء میں ہوئی اور معاہدہ استنبول پر دستخط کیے گئے۔ یہ معاہدہ تینوں ممالک کو ایک دوسرے کے بہت قریب لے آیا۔ معاہدہ کے نتیجہ میں آر۔سی۔ڈی (علاقائی تعاون برائے ترقی) کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ ایران پاکستان اور ترکی نے بہت سے مشترکہ منصوبے مکمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اب اس تنظیم کو

''اقتصادی تعاون کی تنظیم'' (E.C.O) کہا جاتا ہے جس کے ممبران کی تعداد دس ہے۔

☆ پاکستان نے اسلامی انقلاب کے بعد ایران کی نئی حکومت کو تسلیم کیا۔ ایران کی اسلامی حکومت سے نہ صرف دوستانہ تعلقات قائم کیے بلکہ ہر شعبے میں تعاون کو مزید وسعت دی۔ دونوں ممالک کے وفود نے دورے کر کے تجارت کو فروغ دیا۔

☆ 2013ء میں صدر پاکستان نے ایران کا دورہ کیا اور مختلف شعبوں میں تعاون کو مزید فروغ دینے کے لیے ضروری اقدامات اٹھانے کا اعادہ کیا۔ آج کل ایران سے پاکستان کے ذریعے بھارت تک گیس پائپ لائن بچھانے کا منصوبہ زیر غور ہے۔

4- پاک افغان تعلقات

افغانستان پڑوسی، اسلامی اور ایشیائی ملک ہے۔ دونوں ممالک کی سرحد 2252 کلومیٹر لمبی ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان قدیم مذہبی، تاریخی، ثقافتی، نسلی اور جغرافیائی رشتے موجود ہیں۔ افغان علاقوں سے درۂ خیبر کے راستے بڑی تعداد میں حملہ آور موجودہ پاکستانی علاقے میں آتے رہے۔ اسلام پھیلا تو افغان قبائل مسلمان ہوئے اور اسلام کی قوت بن گئے۔ افغان سردار احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے شاہ ولی اللہؒ نے دعوت دی۔ سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری افغان علاقوں سے ہی تعلق رکھتے تھے۔

☆ پاکستان وجود میں آیا تو دونوں ملکوں میں تعلقات کا آغاز خوش گوار نہیں تھا۔ افغانستان نے پاکستان کو بڑی دیر سے تسلیم کیا اور فروری 1948ء میں سفارتی تعلقات کی ابتدا ہوئی۔ افغانستان واحد مسلم ملک تھا جس نے قیامِ پاکستان پر خوشی کی بجائے اضطراب کا اظہار کیا۔ پاکستان نے ہمیشہ اچھے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی لیکن افغانستان کا رویہ منفی اور معاندانہ رہا۔

☆ افغانستان نے پاکستان کی اقوام متحدہ میں رکنیت کے خلاف سرگرمی دکھائی۔ وجہ پختونستان کا سوال تھا۔ افغان حکومت کا دعویٰ تھا کہ پاکستان کے شمال مغرب میں رہنے والے پختون قبائل اور ان کے علاقے افغانستان کا حصہ ہیں۔ وہاں پختونستان کے نام سے ایک علیحدہ مملکت بنائی جائے یا ان علاقوں کے عوام کو پاکستان یا افغانستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنے کا حق دیا جائے۔

☆ برطانوی ہند اور افغانستان کے درمیان بارڈر کے تعین کے مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کرنے کے لیے 1893ء میں سیکرٹری وزارت خارجہ حکومتِ ہند سر ڈیورنڈ نے افغان بادشاہ امیر عبدالرحمان سے مذاکرات کیے اور ایک معاہدہ لکھا گیا جس کی رو سے سرحد کا حتمی تعین کر دیا گیا۔ افغانستان نے ڈیورنڈ لائن کو بین الاقوامی سرحد مان لیا اور اس لائن کے مشرق کی جانب اپنا دعویٰ ترک کر دیا۔ امیر عبدالرحمان کی وفات کے بعد امیر حبیب اللہ خاں نے 1905ء اور سردار محمد خاں نے 1912ء میں معاہدے کی توثیق کی۔ اس وقت سے ڈیورنڈ لائن ہی سرحد چلی آ رہی ہے۔

☆ افغانستان چاروں اطراف سے خشکی میں گھرا ہوا ملک ہے۔ سمندر تک اسے رسائی حاصل نہیں ہے۔ دوسرے ممالک سے تجارتی تعلقات کے قیام میں افغانستان کو دشواری پیش آ رہی تھی۔ حالات کو دیکھتے ہوئے پاکستان نے افغانستان کو راہداری کی سہولتیں دینے کا اعلان کیا۔ کراچی کی بندرگاہ سے سامان لانے اور لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ راہداری کی سہولتیں نرم شرائط پر دی گئیں۔ طورخم اور چمن کے راستے افغان تجارتی قافلوں کو گزرنے کا حق مل گیا۔ خیال تھا کہ راہداری کی سہولتیں ملنے کے بعد تعلقات بہتر شکل اختیار کرنے لگیں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔

☆ سردار نعیم افغان وزیر خارجہ 1959ء میں پاکستان کے دورے پر آئے۔ حکومتِ پاکستان نے ان کی بے حد پذیرائی کی۔ اسلامی تاریخی، ثقافتی اور قدیم رشتوں کے حوالے سے قریبی دوستانہ تعلقات کے قیام کی ضرورت کا احساس دلایا گیا۔ سردار صاحب

کابل واپس گئے تو غیر متوقع طور پر منفی رویے کا اظہار کیا۔ پختونستان کے مسئلہ کو اٹھایا اور پاکستان پر الزام لگایا کہ وہ پختونوں کے حقوق غصب کیے بیٹھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قبائلیوں کے روپ میں افغان فوجیوں کو سرحد پار بھیج کر حملے کروائے گئے جنھیں پاک فوج نے پسپا کر دیا۔ حالات ایسے خراب ہوئے کہ پاکستان نے دوبارہ اپنا سفارت خانہ بند کر دیا۔ البتہ اعلان کیا کہ افغانستان کو راہداری کی سہولتیں حاصل رہیں گی۔

☆ 1970ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں دونوں ملکوں کے تعلقات بہتر ہوئے۔ پاکستان کے وزیر اعظم اور افغانستان کے صدر نے باہمی طور پر خیر سگالی دورے کیے اور دونوں ملکوں میں ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت دونوں ملکوں نے علاقائی سالمیت اور عدم مداخلت کی پالیسی کا عہد کیا۔

☆ اپریل 1978ء میں افغانستان میں ایک فوجی انقلاب اور دسمبر 1979ء میں روسی افواج کے افغانستان میں داخلے سے تعلقات میں دوبارہ تلخی پیدا ہوئی۔ افغانستان حکومت نے مخالفین کو کچلنے کے لیے روسی فوج کو وسیع پیمانے پر استعمال کیا جس کی وجہ سے لاکھوں افغان باشندے اپنا گھر چھوڑ کر پناہ حاصل کرنے کے لیے پاکستان میں داخل ہوئے۔ پاکستان کی حکومت نے انسانی اور اسلامی جذبے کے تحت انھیں پناہ دی۔

☆ افغان عوام نے روسی فوجوں کو اپنے ملک سے باہر نکالنے کے لیے جہاد کا آغاز کیا تو پاکستان نے اُن کی بھر پور حمایت کی۔ دوسری طرف اس مسئلہ کا سفارتی حل تلاش کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔

☆ 1988ء میں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی جنیوا میں روس، پاکستان اور افغانستان کی حکومت کے درمیان معاہدہ طے پایا جس کی رو سے روس نے 1989ء میں اپنی فوجیں افغانستان سے واپس بلا لیں۔

☆ اپریل 1992ء میں افغانستان میں مجاہدین کی حکومت قائم ہوگئی جس کو حکومت پاکستان نے فوری طور پر تسلیم کر لیا لیکن تھوڑے عرصے بعد مجاہدین کے باہمی اختلاف کی وجہ سے ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی۔ مجاہدین کے ایک گروپ ''طالبان'' نے افغانستان کے بیشتر حصہ پر قبضہ کر کے افغانستان میں ایک اسلامی حکومت قائم کر دی۔ حکومت پاکستان نے دوبارہ طالبان کی حکومت کو بھی تسلیم کر لیا۔

☆ 2000ء میں پاکستان اور افغانستان نے ایک مستقل مشترکہ کمیشن قائم کیا جس کا کام دونوں ممالک کی سرحد کے آر پار سمگلنگ کو روکنا اور افغان مہاجرین کی واپسی تھا۔ دونوں ممالک کے باہمی جھگڑوں کا طے کرنا بھی اس کمیشن کے اختیارات میں شامل کیا گیا۔

☆ 11 ستمبر 2001ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثے کے بعد امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر دیا افغانستان میں طالبان کی حکومت ختم کر دی گئی اور وہاں نئی حکومت قائم ہوگئی۔ حکومت پاکستان نے نئی حکومت کے ساتھ بھی تعاون کا اعلان کیا اور افغانستان کی تعمیر نو کے لیے مالی امداد بھی دی اور مزید امداد دینے کا وعدہ بھی کیا۔

☆ 2014ء میں اشرف غنی افغانستان کے صدر منتخب ہوئے۔ پاکستان کی فوج کے سربراہ اور دیگر شخصیات افغانستان کا دورہ کر چکی ہیں۔ افغان حکومت نے پاکستان کو دہشت گردی کے خاتمے کے لیے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا ہے۔ اب دونوں ممالک کے درمیان بہتر تعلقات کی امید کی جا سکتی ہے۔

اسلامی کانفرنس کی تنظیم اور اقتصادی تعاون کی تنظیم میں پاکستان کا کردار
(Role of Pakistan in O.I.C and E.C.O)

اسلامی کانفرنس کی تنظیم *(Organization of Islamic Conference)*

پاکستان شروع دن سے ہی اسلامی ممالک اور مسلمانوں کے اتحاد کا خواہاں ہے۔ ہمیشہ ہم آہنگی اور تعاون کے لیے سازگار ماحول بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ مسلمانوں کے حق میں اٹھنے والی تحریکوں کا ساتھ دیا ہے اور اپنے مؤقف کی کھل کر اقوام متحدہ میں بات کی ہے۔

اسلامی کانفرنس کا قیام

دنیا بھر کے مسلم ممالک کے نمائندے 1969ء میں مراکش کے شہر رباط میں اکٹھے ہوئے۔ پاکستان نے اسلامی کانفرنس کے نام سے ایک مستقل ادارے کی تشکیل کی تجویز پیش کی جس کی تمام اسلامی ممالک نے حمایت کی اور اسلامی کانفرنس کی تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا صدر دفتر جدہ میں ہے۔ اسلامی کانفرنس کا منشور ترتیب دینے میں پاکستان نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ منشور کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1- فلسطینی عوام کے مقدس مقامات کا تحفظ
2- دنیا بھر کے مسلم عوام کے حقوق کا دفاع
3- آزادی اور حقوق کے لیے ہر علاقے کے مسلمانوں کی جدوجہد کی حمایت
4- اسلامی ممالک کے درمیان تعاون اور مفاہمت کے فروغ کے لیے کوششیں
5- ہر قوم کے حق خود ارادیت کی حمایت
6- اقتصادی، سائنسی، ثقافتی اور سماجی شعبوں میں باہمی تعاون
7- بین الاقوامی امن اور سلامتی نیز عدل و انصاف کے اصولوں کی پاسداری

اسلامی کانفرنس میں پاکستان کا کردار

- ☆ پاکستان نے اسلامی کانفرنس کی تنظیم میں بہت اہم کردار ادا کیا جس کا اعتراف مسلم ممالک نے خود بھی کیا ہے۔
- ☆ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کا پہلا اجلاس 1969ء میں مراکش کے شہر رباط میں منعقد ہوا تو پاکستان نے اس کی کارروائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔
- ☆ دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس 1974ء میں لاہور کے تاریخی شہر میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں پاکستان نے میزبانی کے فرائض ادا کیے۔ 40 اسلامی ممالک کے نمائندوں کے علاوہ مؤتمر عالم اسلامی، تحریک آزادی فلسطین اور عرب لیگ کے وفود نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ شاہ فیصل، معمر قذافی، حافظ الاسد، شیخ زید بن سلطان اور انور سادات سمیت بڑی بڑی عالمی شخصیتوں نے بھی کانفرنس میں شرکت کی۔ پاکستان کی حکومت اور عوام نے بڑے جذباتی انداز میں اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ یہ اتحاد عالم اسلام کا ایک روح پرور نظارہ تھا۔ پاکستان نے کانفرنس میں فلسطینی عوام کی آزادی اور خود مختاری کے حق میں قرارداد پیش کی جسے متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔

☆ پاکستان نے 1969ء سے تا حال اسلامی کانفرنسوں کے تمام اجلاسوں میں شرکت کی صدر یا وزیراعظم پاکستان کی نمائندگی کرتے رہے۔ اسلامی دنیا کے اتحاد اور مسلم ریاستوں کے مسائل کے حل کے لیے پاکستان نے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

☆ مسلم ممالک کے درمیان تجارتی، سائنسی، فنی، تعلیمی، ثقافتی اور اقتصادی تعاون کے لیے راہیں تلاش کرنے میں پاکستان نے نمایاں طور پر حصہ لیا اور مختلف منصوبوں کی تشکیل کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔

☆ اسلامی کانفرنس کی کامیابی اور مسلم امہ کے اتحاد کے لیے پاکستان نے جو خدمات انجام دی ہیں نیز اسلامی ممالک سے خصوصی تعلقات کے قیام کے لیے جو اقدامات اٹھائے ہیں، ان کا اعتراف اسلامی برادری ہمیشہ کرتی رہی ہے۔ 1980ء میں پاکستان کو بہت بڑا اعزاز حاصل ہوا جب اسلامی دنیا نے مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں اقوام متحدہ میں اظہار رائے کے لیے صدر پاکستان کو نامزد کیا۔ دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے پاکستان کے سربراہ نے اہم تقریر کی اور امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا بھرپور انداز میں ذکر کیا۔

اقتصادی تعاون کی تنظیم (ای۔سی۔او) *Economic Co-operation Organization (E.C.O)*

جولائی 1964ء میں ایران، پاکستان اور ترکی نے باہمی رضامندی سے "علاقائی تعاون برائے ترقی (R.C.D)" کی بنیاد رکھی۔ 1979ء میں ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد ایرانی حکومت کی تمام توجہ اپنے اندرونی مسائل کی طرف مبذول رہی۔ 1985ء میں ایران کی خواہش پر اس تنظیم کو دوبارہ فعال کیا گیا اور اس کا نیا نام "اقتصادی تعاون کی تنظیم (E.C.O)" رکھا گیا۔

16 فروری 1992ء کو اس تنظیم کا دو روزہ سربراہی اجلاس ایران کے دارالحکومت تہران میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں وسطی ایشیا کی چار نو آزاد مسلم ریاستوں آذربائیجان، ازبکستان، ترکمانستان اور تاجکستان کو باقاعدہ تنظیم کا ممبر بنایا گیا۔ اس تنظیم کا ایک اور اجلاس 28 نومبر 1992ء کو اسلام آباد (پاکستان) میں منعقد ہوا جس میں افغانستان اور وسطی ایشیا کی بقیہ دو مسلم ریاستوں قازقستان اور کرغیزستان کو بھی ای۔سی۔او کا ممبر بنا لیا گیا۔ اس طرح اب یہ دس رکنی تنظیم ہے۔

ای۔سی۔او کی تنظیم

ای۔سی۔او کی تنظیم درج ذیل اداروں پر مشتمل ہے۔

☆ وزرائے خارجہ کی کونسل ☆ علاقائی منصوبہ بندی کمیشن ☆ ایوان تجارت

☆ بیمہ سنٹر ☆ ثقافتی ادارہ ☆ تجارتی، صنعتی، زرعی، سائنسی اور ثقافتی کمیٹیاں

ای۔سی۔او کے مقاصد

i- معاشی، تکنیکی اور ثقافتی میدانوں میں تعاون

ii- علاقائی سطح پر معاشی اور تجارتی منصوبوں پر عمل درآمد

iii- باہمی امداد کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرنا

iv- تجارتی شعبوں میں ایک دوسرے کو سہولتیں مہیا کرنا

پاکستان اور ای۔سی۔او

ای۔سی۔او کے تمام رکن اسلامی ممالک ہیں اور پاکستان کے لیے ان ممالک کی اہمیت سیاسی، فوجی، معاشی اور تجارتی اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔ پاکستان کئی شعبوں میں ای۔سی۔او کے رکن ممالک سے تعاون بڑھانے کا خواہش مند ہے جس میں خاطر خواہ کامیابی

حاصل ہوئی ہے۔

1- سیاسی اہمیت

عالمی سیاست میں ای۔سی۔او کی سیاسی اہمیت مسلمہ ہے۔ پاکستان نے بین الاقوامی ذمہ داریاں نبھانے، کشمیر اور دیگر امور کو حل کرنے کے لیے ای۔سی۔او میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

2- تجارتی روابط

وسطی ایشیائی ممالک، ترکی، ایران، افغانستان اور پاکستان کے لیے اچھی منڈیاں ثابت ہوسکتی ہیں۔ پاکستان اپنی اشیا ان ممالک کو برآمد کر کے کثیر زرمبادلہ کما سکتا ہے۔ ان مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وزارے خارجہ، تجارت اور دیگر وزارتی سطح کے اجلاس منعقد ہوتے رہے ہیں۔ مشترکہ ترقیاتی بنک قائم ہو چکا ہے۔ پاکستان نے وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ مل کر مشترکہ اقتصادی کمیشن بھی قائم کیا ہے۔

3- راہداری کی سہولتیں

وسطی ایشیائی ریاستیں اور افغانستان چاروں طرف سے خشکی میں گھرے ہوئے ہیں۔ انھیں سمندر تک رسائی پاکستان، ایران اور ترکی کے راستے حاصل ہوسکتی ہے۔ تینوں ممالک وسطی ایشیائی ریاستوں کو راہداری کی سہولتیں مہیا کرنے پر آمادہ ہیں۔ پاکستان کا سمندر ان ریاستوں کے لیے زیادہ نزدیک اور سہولت کا باعث ہے۔ پاکستان کو وسطی ایشائی ریاستوں سے ملانے کے لیے تاشقند سے پشاور تک ریلوے لائن بچھانے کا منصوبہ بھی زیر غور ہے۔ پاکستان سے ریلوے لائن زاہدان تک جاتی ہے جسے ترکی تک بڑھانے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ مشترکہ جہاز ران کمپنیاں بنانے کی تجویز بھی پاکستان نے پیش کی ہے۔

4- تیل اور گیس پائپ لائن

وسطی ایشیائی ریاستوں میں وافر تیل اور گیس موجود ہے۔ پاکستان ان سے ضرورت کے لیے تیل اور گیس خریدنا چاہتا ہے اور منصوبہ بندی ہورہی ہے کہ پائپ لائنیں بچھائی جائیں۔ ایسے منصوبوں کی تکمیل میں افغانستان کی سیاسی صورت حال حائل ہورہی ہے۔ پاکستان نے تیل اور گیس کی اپنے علاقوں میں تلاش کے لیے رکن ممالک سے معاہدے کیے ہیں اور چاہتا ہے کہ اپنے ہاں تیل صاف کرنے والے کارخانے قائم کیے جائیں۔ ای۔سی۔او کے تحت "تیل کارپوریشن" کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔

5- فنون لطیفہ اور ثقافتی تعاون

مشترکہ کھیلوں کے انعقاد اور فنون لطیفہ کی ترقی کے لیے ای۔سی۔او میں پاکستان کا کردار قابل ستائش ہے۔ اب شاعروں، فنکاروں اور اساتذہ کے وفود کے تبادلے کیے جارہے ہیں جس سے رکن ممالک ایک دوسرے کے بہت قریب آرہے ہیں اور ایک دوسرے کے مسائل سے آگہی حاصل کررہے ہیں۔

اقوام متحدہ *(United Nations)*

قوموں کے درمیان تعاون اور دنیا میں امن کے قیام کے لیے بین الاقوامی سطح پر سرگرمیاں 19ویں صدی کے آغاز میں شروع ہوئیں۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر 1919ء میں انجمن اقوام *(League of Nations)* قائم کی گئی لیکن دوسری جنگ عظیم

چھڑ جانے کی وجہ سے یہ ادارہ ختم ہو گیا۔ جنگ کے بعد تباہی اور ہولناکیوں کو دیکھتے ہوئے دنیا بھر کی انسانی برادری نے آئندہ جنگوں کی روک تھام اور باہمی تعاون کے فروغ کے لیے ایک نئے ادارے کی تخلیق کو ضروری سمجھا۔ بڑے ممالک کے سربراہوں نے متعدد بار ملاقاتیں کیں۔ بالآخر 1945ء میں امریکہ کے شہر سان فرانسسکو میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور اقوام متحدہ (United Nations) بنانے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ پچاس ریاستوں کے نمائندوں نے 25 جون 1945ء کو اقوام متحدہ کے چارٹر کی منظوری دی اور یہ ادارہ 24 اکتوبر 1945ء کو وجود میں آگیا۔ اس کا صدر مقام نیویارک میں ہے۔

اقوام متحدہ کے قیام کے مقاصد

1- بین الاقوامی امن کا قیام

دنیا بھر میں امن قائم کرنا اور ایسی فضا پیدا کرنا کہ قوموں کے درمیان جنگ کی نوبت نہ آئے۔ قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دینا اور ہر قوم کے حق خود ارادیت کا احترام کروانا۔

2- معاشی و معاشرتی تعاون

تمام اقوام عالم کی ثقافتی، معاشی، معاشرتی اور دیگر شعبوں میں ترقی کے لیے منصوبہ بندی کرنا اور ان مقاصد کے لیے اشتراک عمل پیدا کرنا۔

3- انصاف کی فراہمی

تمام ریاستوں کی آزادی اور خود مختاری کو محفوظ بنانا اور بین الریاستی تنازعات کو خوش اسلوبی سے طے کرنا تاکہ انھیں انصاف مہیا ہو سکے۔

4- انسانی مسائل کا حل

دنیا بھر میں ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کے عوام کے مسائل کو حل کرنے کے لیے خصوصی کوششیں کرنا۔ مہاجرین کی آبادکاری، نئی نسل کی تعلیم، صحت اور بہبود کے لیے اقدام اٹھانا اور محکوم قوموں کی آزادی و خود مختاری کے لیے جدوجہد کرنا۔

اقوام متحدہ کے ادارے (Organs of the United Nations)

اقوام متحدہ کے مندرجہ ذیل چھے بنیادی ادارے ہیں:

1- جنرل اسمبلی　2- سلامتی کونسل　3- تولیتی کونسل　4- معاشی و معاشرتی کونسل

5- بین الاقوامی عدالت انصاف　6- سیکرٹریٹ

1- جنرل اسمبلی (General Assembly)

جنرل اسمبلی اقوام متحدہ کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ تمام رکن ممالک کے نمائندے جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہوتے ہیں۔ اس کا اجلاس ہر سال ستمبر کے مہینے میں منعقد ہوتا ہے۔ یہ درج ذیل فرائض سرانجام دیتی ہے۔

i- سلامتی کونسل کے دس غیر مستقل ارکان کا انتخاب

ii- سیکرٹری جنرل اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں کے چناؤ کی منظوری
iii- معاشی اور معاشرتی کونسل کے ارکان کا انتخاب
iv- نئی ریاستوں کو رکنیت دینا اور کسی ریاست کی رکنیت کو ختم کرنا۔
v- بجٹ کی منظوری
vi- اقوام متحدہ کے تحت کیے گئے تمام معاہدوں کی توثیق
vii- دنیا بھر میں امن کے قیام کے لیے اقدامات
viii- سماجی و اقتصادی ترقی، معیار زندگی کو بہتر بنانا اور بین الاقوامی تعاون کے لیے فضا کی تخلیق
ix- کسی بھی امتیاز کے بغیر حقوق اور مراعات کی ریاستوں کو فراہمی

2- سلامتی کونسل (Security Council)

یہ اقوام متحدہ کا دوسرا اور بہت اہم ادارہ ہے۔ یہ ادارہ اقوام متحدہ کی انتظامیہ شمار ہوتی ہے۔ سلامتی کونسل کے کل ارکان کی تعداد 15 ہے۔ ان میں سے 5 مستقل ارکان امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور عوامی جمہوریہ چین ہیں۔ سلامتی کونسل کے اجلاس مختصر وقفوں کے ساتھ ہوتے رہتے ہیں۔ کونسل کا صدر ہر ماہ منتخب کیا جاتا ہے۔ سلامتی کونسل کے فیصلے پندرہ میں سے کم از کم نو ارکان کی رائے کے مطابق طے پاتے ہیں۔ لیکن ضروری ہے کہ ان 9 ارکان میں پانچوں مستقل ارکان شامل ہوں۔ اگر کوئی ایک مستقل رکن منفی رائے دے دے تو معاملہ طے نہیں پا سکتا۔ مستقل ارکان کے اس اختیار کو ''ویٹو'' کا نام دیا گیا ہے۔ امن و امان کا قیام، بین الاقوامی تنازعات کا حل، نئے ممالک کی رکنیت اور اس کے خاتمے کی سفارش، بین الاقوامی عدالت انصاف کے ججوں کا چناؤ اور جنرل سیکرٹری کے چناؤ کی سفارشات سلامتی اسمبلی کو بھیجنا اس کے اہم فرائض میں شامل ہے۔

3- تولیتی کونسل (Trusteeship Council)

اقوام متحدہ کے اس ادارے نے دوسری جنگ عظیم کے بعد تباہ حال قوموں کی حالت بہتر بنانے کے لیے انتظام کیا تا کہ وہ ان علاقوں کے عوام کی ثقافتی، تعلیمی، اقتصادی، سماجی اور دیگر ضرورتوں کی تکمیل بطور نگران کرے اور یہ نگرانی اس وقت تک رہے گی جب تک کہ یہ قومیں آزادی حاصل کرنے کے قابل نہیں ہو جاتیں۔ اب یہ ادارہ اپنی افادیت کھو چکا ہے۔

4- معاشی و معاشرتی کونسل (Economic and Social Council)

کونسل کے کل ارکان کی تعداد 54 ہے۔ ان کا چناؤ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل مل کر کرتی ہیں۔ ہر رکن کی میعاد تین سال ہے۔ 1/3 ارکان ہر سال ریٹائر ہو جاتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے 1/3 ارکان منتخب کر لیے جاتے ہیں۔ کونسل کے اجلاس سال میں تین بار طلب کیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ خصوصی اجلاس بھی بلایا جا سکتا ہے۔ معاشی و معاشرتی کونسل کے ارکان اپنے میں سے ایک رکن کو بطور صدر چُن لیتے ہیں۔

معاشی و معاشرتی کونسل درج ذیل فرائض انجام دیتی ہے:

i- دنیا بھر کے عوام کے حقوق، بالخصوص معاشی و معاشرتی حقوق کی فراہمی۔
ii- انسانوں کے معیار زندگی کو بلند کرنا اور معاشی و معاشرتی ترقی کی کوشش کرنا۔

iii- بین الاقوامی سطح پر تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی شعبوں میں تعاون کی فضا پیدا کرنا۔
iv- بے روزگاری، غربت اور بیماری کو دور کرنے کے لیے منصوبہ بندی کرنا۔
v- مختلف کمیشنوں اور کمیٹیوں کی تشکیل جو آبادی، تعلیم، صحت، حقوق، عوامی بہبود، خواتین کی ترقی اور شماریات کے حوالے سے منصوبے بناتی اور انھیں عملی جامہ پہناتی ہیں۔

5- بین الاقوامی عدالت انصاف *(International Court of Justice)*

اقوام متحدہ میں بین الاقوامی عدالت انصاف ایک اہم عضو ہے۔ عدالت کے ججوں کی کل تعداد 15 ہے جو مختلف ممالک سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا چناؤ 9 سالہ مدت کے لیے جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل مل کر کرتی ہیں۔ ایک ملک سے ایک سے زیادہ جج نہیں لیے جاسکتے۔ عدالت اپنے فیصلے حاضر ارکان کی اکثریت کی رائے کے مطابق کرتی ہے۔ اگر کسی مقدمہ میں ججوں کی تعداد موافقت اور مخالفت میں برابر نکلے تو چیف جج کا ووٹ فیصلہ کن شمار ہوتا ہے۔

ریاستوں کے مابین تنازعات کا حل کرانا، اقوام متحدہ کے منشور میں شامل تمام موضوعات پر مقدمات کی سماعت کرنا، بین الاقوامی قوانین کی تشریح اور توضیح کرنا اور اقوام متحدہ کے مختلف اداروں کو قانونی مشورہ دینا اس کے فرائض میں شامل ہے۔

6- سیکرٹریٹ *(Secretariate)*

یہ اقوام متحدہ کا ریکارڈ آفس ہے اور نیویارک میں قائم ہے۔ سیکرٹریٹ کا سربراہ سیکرٹری جنرل کہلاتا ہے۔ اُس کی معاونت کے لیے کئی سیکرٹری بھی چنے جاتے ہیں۔ جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل سیکرٹری جنرل کو پانچ سال کے لیے منتخب کرتی ہیں۔

سیکرٹریٹ کی ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

i- تمام اداروں کے اجلاسوں کی کارروائیاں محفوظ رکھنا۔
ii- خط و کتابت کرنا اور ریکارڈ محفوظ رکھنا۔
iii- سالانہ رپورٹیں تیار کرنا۔
iv- اقوام متحدہ کے بنیادی اداروں کی تمام کارروائی کا ریکارڈ پانچ زبانوں انگریزی، فرانسیسی، عربی، چینی اور ہسپانوی میں منتقل کرنا۔

بین الاقوامی تنازعات کو حل کرانے میں اقوام متحدہ کا کردار
(U.N. Role in Solving International Problems)

1- مسئلہ کشمیر *(Kashmir Problem)*

برصغیر کی تقسیم کے وقت جموں و کشمیر کی ریاست ہندوستان کی اہم ترین ریاستوں میں سے ایک تھی۔ چونکہ جموں و کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اس لیے وہ پاکستان سے الحاق کرنا چاہتے تھے لیکن اس وقت کا راجا آمادہ نہ تھا۔ اس طرح کشمیر میں آزادی کی جدوجہد شروع ہوگئی اور کشمیریوں نے جہاد کے ذریعے کافی علاقہ آزاد کرالیا جسے "آزاد کشمیر" کہتے ہیں۔ صورت حال کو اپنے خلاف جاتا دیکھ کر راجا نے بھارت کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخط کر دیے اور یوں پاکستانی اور بھارتی فوجوں کا آپس میں ٹکراؤ ہوا۔ جنگ میں بھارت کو جب اپنی پوزیشن خطرے میں نظر آئی تو اس نے اقوام متحدہ میں جا کر دہائی دی۔ اقوام متحدہ کی مداخلت پر بالآخر جنگ بندی ہوئی۔ سلامتی کونسل نے کشمیر اور کشمیریوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے دو قراردادیں 3 اگست 1948ء اور

5 جنوری 1949ء کو منظور کیں۔ طے پایا کہ دونوں ممالک کی افواج کشمیر سے نکل جائیں گی اور عوام کی رائے جاننے کے لیے رائے شماری کرائی جائے گی۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کو بھارت نے قبول کیا لیکن جب اُس کا کنٹرول مضبوط ہو گیا تو وہ اپنے وعدے سے مکر گیا۔

2- مسئلہ افغانستان (Afghanistan Problem)

افغانستان میں صدر داؤد کے قتل کے بعد روس نواز حکومتیں یکے بعد دیگرے نور محمد ترکئی، حفیظ اللہ امین اور ببرک کارمل کی سربراہی میں قائم ہوئیں۔ ببرک کارمل کے دور میں سابق سوویت یونین کی افواج نے براہِ راست کابل پر قبضہ کرلیا۔ 40 لاکھ سے زیادہ افغان مہاجرین پاکستان آگئے۔ روسی افواج کے خلاف مجاہدین کو مغربی دنیا کی حمایت حاصل ہوئی۔ اقوام متحدہ نے افغانستان میں روسی مداخلت کی مذمت کی۔ 1981ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 23 کے مقابلے میں 116 ووٹوں سے افغانیوں کی آزادی اور خودمختاری کے حق میں قرارداد منظور کی۔

اقوام متحدہ نے روس پر مسلسل دباؤ ڈالے رکھا کہ وہ اپنی افواج افغانستان سے نکال لے۔ مجاہدین نے پاکستان اور مغربی ممالک کی مدد کے ساتھ روسی افواج کو اتنا نقصان پہنچایا کہ روس مذاکرات کی میز پر آنے پر مجبور ہو گیا۔ ایک معاہدہ کے تحت روس نے 1989ء میں اپنی افواج افغانستان سے واپس بلا لیں۔ 2001ء میں امریکہ اور اس کی اتحادی افواج نے افغانستان پر قبضہ کرلیا، جو اب ختم ہو چکا ہے۔

3- مسئلہ فلسطین (Palestine Problem)

فلسطین کا مسئلہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سامنے آیا۔ جب 1948ء میں مغربی طاقتوں کی حمایت کے ساتھ دنیا کے مختلف حصوں میں بکھرے ہوئے یہودی فلسطین کی سرزمین پر اکٹھا ہونا شروع ہوئے۔ جس کا نتیجہ اسرائیل کے نام پر وجود میں آنے والی ریاست پر منتج ہوا۔ فلسطینیوں کے لیے یہ بات تشویش ناک تھی جس کو نظر انداز کرنا کسی طور ممکن نہ تھا مگر مغربی طاقتوں کے ایما پر اسرائیل نے اپنے علاقے پھیلانے شروع کر دیے۔

مسلمان ممالک خصوصاً عرب ممالک فلسطین کے بچاؤ کے لیے سرگرم عمل ہو گئے اور کئی مرتبہ اسرائیل اور عربوں کے مابین باقاعدہ جنگ ہوئی مگر عربوں کے درمیان اتحاد کی کمی اور دیگر وجوہات کی بنا پر عرب ممالک جنگوں کو اپنے حق کے لیے بارآور ثابت نہ کرا سکے اور کئی اہم علاقے جن میں یروشلم کا علاقہ قابل ذکر ہے، اسرائیل کے براہِ راست کنٹرول میں چلے گئے اور فلسطین کا مسئلہ ایک سنگین صورت اختیار کر گیا۔ فلسطینی ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ اسرائیل کی جارحانہ کارروائیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اقوام متحدہ بھی اس مسئلہ کا کوئی خاطر خواہ حل نہ کرا سکی۔

آج بھی فلسطین کی آزادی کی تحریک اور اسرائیل کی جارحیت دونوں سرزمین فلسطین پر بدستور موجود ہیں۔ بظاہر اقوام متحدہ اور بڑی طاقتیں آج بھی اس مسئلے کے حل کے لیے کوشاں نظر آتی ہیں مگر خلوص اور ارادے کی کمی اس مسئلے کو دن بدن گھمبیر کرتی چلی جا رہی ہے۔

سوالات

حصہ اوّل (معروضی)

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے:

i- عوامی جمہوریہ چین کا قیام کب عمل میں آیا؟

ا۔ 1947ء ب۔ 1949ء ج۔ 1951ء د۔ 1953ء

ii- اقوام متحدہ کی "معاشی ومعاشرتی کونسل" کے ارکان کی تعداد کتنی ہے؟

ا۔ 34 ب۔ 44 ج۔ 54 د۔ 64

iii- اسلامی کانفرنس کی تنظیم کا پہلا اجلاس 1969ء میں کس شہر میں منعقد ہوا؟

ا۔ رباط ب۔ جدہ ج۔ کراچی د۔ تہران

iv- اقتصادی تعاون کی تنظیم (E.C.O) کا قیام کب عمل میں آیا؟

ا۔ 1964ء ب۔ 1975ء ج۔ 1985ء د۔ 1990ء

v- 24 اکتوبر 1945ء کو کس ادارے کا قیام عمل میں آیا؟

ا۔ اقتصادی تعاون کی تنظیم ب۔ اسلامی کانفرنس کی تنظیم

ج۔ اقوام متحدہ د۔ علاقائی تعاون برائے ترقی

vi- پاکستان اور بھارت کے درمیان "شملہ معاہدہ" کب ہوا؟

ا۔ 1971ء ب۔ 1969ء ج۔ 1967ء د۔ 1965ء

vii- پاکستان اور افغانستان کی سرحد کی لمبائی کتنی ہے؟

ا۔ 2240 کلومیٹر ب۔ 2246 کلومیٹر

ج۔ 2250 کلومیٹر د۔ 2252 کلومیٹر

viii- پاکستان اور بھارت کے درمیان "آگرہ" کانفرنس کب ہوئی؟

ا۔ 1999ء ب۔ 2001ء ج۔ 2003ء د۔ 2005ء

ix- اقوام متحدہ کا سب سے بڑا ادارہ کون سا ہے؟

ا۔ جنرل اسمبلی ب۔ بین الاقوامی عدالت انصاف

ج۔ سلامتی کونسل د۔ معاشی ومعاشرتی کونسل

x- پاکستان اور افغانستان کے درمیان سفارتی تعلقات کی ابتدا کب ہوئی؟

ا۔ 1948ء ب۔ 1950ء ج۔ 1952ء د۔ 1954ء

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجیے:

i- ''ڈیورنڈ لائن'' سے کیا مراد ہے؟

ii- معاشی و معاشرتی کونسل کون سے فرائض سرانجام دیتی ہے؟

iii- اقتصادی تعاون کی تنظیم کے مقاصد تحریر کیجیے۔

iv- پاکستان اور ایران کے درمیان سرحدی سمجھوتہ کب ہوا؟

v- ''سندھ طاس معاہدے'' سے کیا مراد ہے؟

vi- پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین کے درمیان تعلقات کا آغاز کب ہوا؟

vii- پاکستان کی خارجہ پالیسی ''آزاد اور خود مختار'' کیوں ہے؟

viii- ریاست جموں و کشمیر کی آزادی کے لیے پاکستان کا کیا کردار ہے؟

ix- ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا واقعہ کب اور کہاں رونما ہوا؟

x- اقوام متحدہ کے قیام کے کیا مقاصد ہیں؟

حصہ دوم (انشائیہ)

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیجیے:

i- پاکستان کی خارجہ پالیسی کو متعین کرنے والے عوامل کی وضاحت کیجیے۔

ii- پاکستان کی خارجہ پالیسی کے نمایاں خدوخال کون کون سے ہیں؟

iii- پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں آنے والے نشیب و فراز کا جائزہ لیجیے۔

iv- چین پاکستان کا ہمسایہ ملک ہے جس نے ہر مشکل گھڑی میں پاکستان کا ساتھ دیا ہے۔ وضاحت کیجیے۔

v- پاکستان کے ہمسایہ اسلامی ملک ایران کے ساتھ تعلقات بیان کیجیے۔

vi- پاکستان اور افغانستان کے تعلقات کا جائزہ لیجیے۔

vii- اقوام متحدہ کے بنیادی اداروں کی کارکردگی کا جائزہ لیجیے۔

viii- بین الاقوامی تنازعات کے حوالے سے اقوام متحدہ کا کردار واضح کیجیے۔

ix- اسلامی کانفرنس کی تنظیم میں پاکستان کا کردار بیان کیجیے۔

x- پاکستان کے کردار کے حوالے سے اقتصادی تعاون کی تنظیم کی کارکردگی پر روشنی ڈالیے۔

سائیکل یا موٹر سائیکل پر کرتب دکھانا، آپ اور دوسروں کے لیے مصیبت اور خطرے کا باعث ہوتا ہے۔

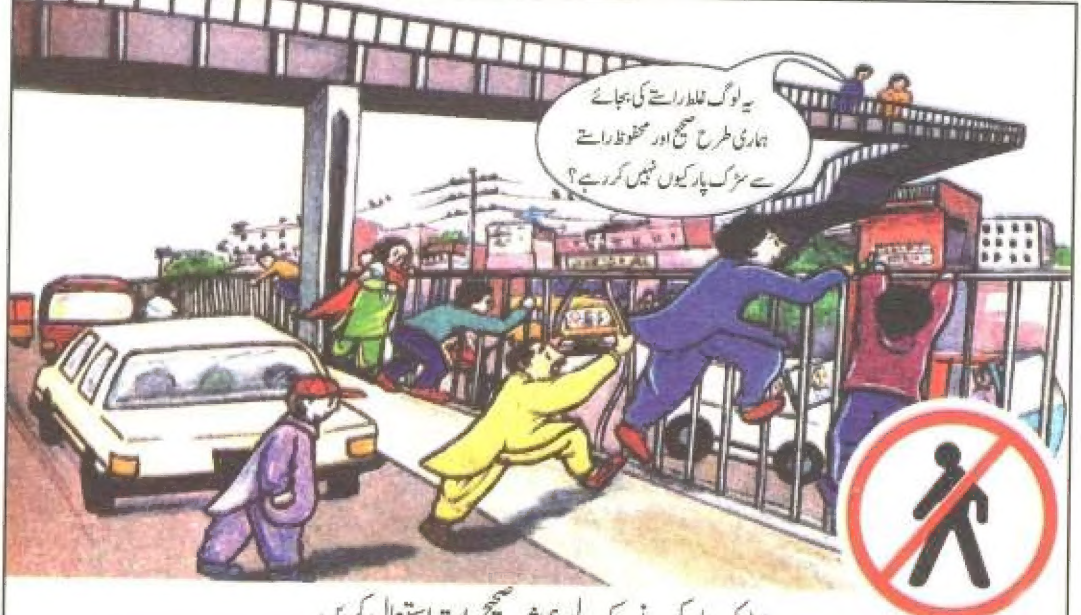

سڑک پار کرنے کے لیے ہمیشہ صحیح راستہ استعمال کریں۔

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ منظور شدہ نصاب کے مطابق معیاری اور سستی کُتب مُہیا کرتا ہے۔ اگر ان کُتب میں کوئی تصور وضاحت طلب ہو، متن اور املا وغیرہ میں کوئی غلطی ہو تو گزارش ہے کہ اپنی آرا سے آگاہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہو گا۔

مینجنگ ڈائریکٹر
پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ
21-ای-II، گلبرگ-III، لاہور۔

فیکس نمبر: 042-99230679
ای میل: chairman@ptb.gop.pk
ویب سائٹ: www.ptb.gop.pk

Printed by: Maryah Printers Islamabad
sales@maryahprinters.com

Designed By: ART CELL PCTB

امانت دیانت صداقت شرافت

پنجاب
کریکولم اینڈ
ٹیکسٹ بک بورڈ
لاہور

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور